امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ و جھارکھنڈ کا ترجمان

ہفتہ وار نقیب

پھلواری شریف پٹنہ

مدیر
مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

معاون
مولانا رضوان احمد ندوی

اس شمارہ میں

■ اللہ کی باتیں، رسول اللہ کی باتیں
■ دینی مسائل، یادوں کے چراغ
■ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی بصیرت
■ دعوت ولیمہ کب اور کیسے؟
■ ٹرسٹ رجسٹریشن کے لئے ضروری امور
■ کردار سازی تعلیم کا اصل جوہر
■ کیا اردو ادب کو نوبل انعام مل سکتا ہے
■ ملی سرگرمیاں، اخبار جہاں، ہفتہ رفتہ

جلد نمبر 63/73 — مورخہ ۸/ جمادی الثانی ۱۴۴۴ھ مطابق ۲/ جنوری ۲۰۲۳ء روز سوموار — شمارہ نمبر 01

بین السطور

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دینِ حق کی شرطِ اول ہے

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہمارے دل ودماغ میں رچی بسی ہوئی ہے، یہ ہمارے دین وایمان کا حصہ ہے، اس کے بغیر ایمان کا تصور نہیں کیا جا سکتا، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مال ودولت، گھر بار، باپ ماں اور بیوی بچوں کی بہ نسبت ایمان والوں کو اللہ ورسول سے زیادہ محبت نہ ہو تو سزا کے منتظر رہنے کو کہا ہے، ارشاد باری ہے: آپ کہہ دیجئے: اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں، اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو، تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہوں تو تم منتظر رہو، یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیج دیں اور اللہ تعالیٰ بے حکمی کرنے والوں کو ان کے مقصود تک نہیں پہونچاتا۔ (سورہ توبہ: آیت ۲۴ رکوع ۳)

یہ آیت ہجرت کے پس منظر میں ہے، لیکن یہ حکم اسی کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ ہر دور کے لیے ہے، اس آیت میں اللہ اور رسول کی محبت کو تمام چیزوں کی محبت سے برتر وبالا رکھنے کی بات کہی گئی ہے اور ایسا نہ کرنے پر سزا کا اعلان بھی کیا گیا ہے، اس لیے ایمانی واسلامی زندگی بغیر اللہ رسول کی محبت کے ممکن ہی نہیں ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی بھی اسوقت تک مؤمن کامل نہیں ہوسکتا، جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والد، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں، ایک موقع سے حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! سب کی محبت مغلوب ہو چکی ہے، صرف اپنی ذات سے تعلق زیادہ معلوم ہوتا ہے، آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابھی نہیں عمر، تھوڑی دیر بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا: اب اپنی ذات سے بھی زیادہ آپ سے محبت معلوم ہوتی ہے، ارشاد ہوا، ہاں اب، یعنی اب ایمان مکمل ہو گیا، اسی محبت کا تقاضہ تھا کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ مجھے یہ بھی پسند نہیں کہ میں پھانسی کے پھندے سے اتار دیا جاؤں اور آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے مبارک میں کانٹے چبھیں۔

اس قدر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کیوں کرنی چاہیے؟ اس لیے کرنی چاہیے کہ محبت کے تمام اسباب جمال، کمال، احسان اور قرب وہ سب کے سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں مکمل طور پر پائے جاتے ہیں، جمال ایسا کہ آپ سے زیادہ خوبصورت انسان پر سورج طلوع نہیں ہوا، کمال ایسا کہ 32 سال کی مختصر مدت میں کایا پلٹ کر دی، ایک خدائے واحد کی پرستش کا غلغلہ بند ہوا، جہالت دور ہوئی، علم کی روشنی پھیلی، ظلم وستم کا خاتمہ ہوا، کراہتی ہوئی انسانیت نے سکون وآرام پایا، انصاف کی حکمرانی قائم ہوئی، احسان ایسا کہ انسان تو کیا چرند وپرند بھی آپ کی رحمت سے بہرہ ور ہوئے، دشمنوں کی جان بخشی کی گئی، اور دوستوں پر شفقت ومحبت کی ایسی بارش ہوئی کہ سب گرویدہ ہو گئے اور قرب ایسی کہ قربت خداوندی کا حصول آپ کے قرب کے بغیر ممکن نہیں، اس لیے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے محبت فطری ہے، اور اس کے لیے کسی دلیل اور حجت کی ضرورت نہیں ہے۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

حسن یوسف، دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ تین چیزیں جس شخص میں ہوں اس نے ایمان کی حلاوت پالی، ایک وہ شخص جس کو اللہ کے رسول سب سے زیادہ محبوب ہوں، دوسرے وہ شخص جو محبت صرف اللہ کے لیے کرے اور تیسرا وہ جسے اللہ نے کفر سے بچالیا اور وہ کفر کی طرف لوٹنے سے اس قدر نفرت کرے جیسی آگ سے کرتا ہو۔

ایک دوسری آیت میں اللہ سے محبت کا تقاضہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو قرار دیا گیا، اور اطاعت رسول پر مغفرت خداوندی کا مژدہ سنایا گیا، گویا اللہ کی خوشنودی کا حصول اتباع رسول کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آپ کی مرضیات پر چلتے اور آپ کے چشم وابرو کے اشارے پر قربان ہونے کو تیار رہتے تھے، ایک بار حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد کے دروازے تک پہونچے تھے کہ آپ کے اعلان کی آواز کانوں میں پڑی کہ بیٹھ جاؤ، وہیں بیٹھ گیے اور کہنے لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بعد اس کی گنجائش ہی کہاں تھی کہ ایک قدم آگے بڑھایا جائے، ایک صحابی نے اپنا قُبّہ صرف اس بات پر توڑ دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تھا کہ یہ کس کا قبہ ہے، صحابی نے محسوس کیا کہ آپ نے اس کو پسند نہیں کیا، تبھی تو آپ نے فرمایا کہ اس طرح کا مال اس کے مالک کے لئے قیامت میں وبال جان ہوگا، حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بار کسم سے رنگا ہوا گلابی گیروا رنگ کا کپڑا پہنے ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھ لیا، یہ کیا ہے؟ یہ سن کر اس کپڑے کو چولھے میں ڈال کر جلا ڈالا، دوسرے دن آنے پر دریافت کیا کہ اس کپڑے کو کیا کیا، حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جلا ڈالا، ارشاد ہوا کسی عورت کو کیوں نہیں دے دیا، ان کے لئے اس طرح کا لباس پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے، اتنا ہی نہیں، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جاں نثاری کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے مقابل اپنی جان کی پرواہ نہیں کرتے تھے؛ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آنے والے تیر وتفنگ کا رخ بھی اپنی طرف کر لیتے تھے تاکہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا بال بھی بیکا نہ ہو، غزوۂ اُحد کے موقع سے حضرت ابو طلحہؓ آپ کی طرف آنے والے ستر سے زائد تیروں کو اپنے ہاتھ اور سینے پر روکا، جس کے سبب ان کا ہاتھ ہمیشہ کے لیے شل ہو کر رہ گیا تھا، اسی موقع سے حضرت ابو طلحہؓ کا یہ قول بھی کتب احادیث میں مذکور ہے کہ میرا سینہ آپ کے لیے موجود ہے، اسی غزوۂ حضرت ابو دجانہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا، وہ ڈھال بن گیے اور تیر ان کی پیٹھ میں پیوست ہوتے رہے، وہ حرکت بھی نہیں کرتے تھے کہ کہیں میری حرکت کی وجہ سے کوئی تیر آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر تک پہونچ نہ جائے، جب دشمنوں نے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر پھیلائی تو ایک صحابیہ بے اختیار مدینہ سے چل کر اُحد پہونچیں راستہ میں انہیں بتایا گیا کہ تمہارا باپ شہید ہو گیا، وہ آگے بڑھتی جاتی تھیں اور کہتی جاتی تھیں کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں، پھر بتایا گیا کہ بھائی، بیٹا اور شوہر بھی اس لڑائی میں کام آگیے؛ لیکن ہر بار وہ یہی پوچھتی تھیں کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں؟ انہیں بتایا گیا کہ آپ خیریت سے ہیں، کہتی ہیں مجھے ان کی زیارت کراؤ اور جب رخ انور کی زیارت ہوگئی تو کہنے لگی میرا سب کچھ آپ پر قربان، باپ، بھائی، بیٹا، شوہر سبھی قربان؛ آپ سلامت ہیں تو ساری مصیبتیں قابل برداشت ہیں۔

یہ اور اس قسم کے واقعات بتاتے ہیں کہ صحابہ کرام کے نزدیک محبت رسول کا مطلب اللہ کے رسول کی مرضیات پر چلنا تھا، اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ آپ کی ایک ایک ادا کو اپنی زندگی کا حصہ بنا لیا جائے اور ہمارے ہر کام اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ اور ان کی ہدایات کے مطابق ہوں، مجازی محبت میں بھی آدمی محبوب کی ایک ایک ادا پر مرمٹتا ہے، یہ تو حقیقی محبت کا معاملہ ہے، اس میں کمی، کوتاہی کسی صورت گوارہ نہیں، مسلمانوں کے اندر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت مثالی ہے اور ہم سب اس کے لیے مرمٹنے کو ہمہ وقت تیار رہتے ہیں، ناموس رسالت پر کسی قسم کا حملہ اور کسی قسم کی توہین ہمیں برداشت نہیں، جان، مال، آل واولاد، باپ ماں، سب آپ پر قربان، اتنی محبت ہونے کے باوجود ہم اپنا رنگ ڈھنگ سنت کے مطابق نہیں بنا پا رہے ہیں، زندگی سنت کے مطابق نہیں گذر رہی ہے، سماجی، معاشی، معاشرتی زندگی میں عموماً سنتوں کا چلن نہیں ہے، ان تمام معاملات میں ہم من مانی کر رہے ہیں، اور بھول جاتے ہیں کہ ہمارے اعمال سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو باخبر کرایا جاتا ہے، محبت رسول کے دعویٰ کے باوجود سنت رسول سے اس قدر دوری قابل غور ہے اور اس صورت حال میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔

عملی زندگی میں سنت سے دوری کی کسر ہم اظہار محبت کے نت نئے طریقے ایجاد کر کے پورے کر رہے ہیں، حالاں کہ اظہار محبت کا بھی وہی طریقہ معتبر ہے، جو محبوب کو پسند ہو، محبوب جلسہ، جلوس، مظاہرے کو پسند نہ کرتا ہو اور ہم ان چیزوں کے ذریعہ محبت کا اظہار کریں، تو محبوب کی خوشنودی کس طرح حاصل ہو سکتی ہے؟ بلکہ جو طریقے انہیں پسند نہیں، اس کو اپنا کر ہم کچھ ان کے عتاب کے ہی شکار ہوں گے، رضا کے نہیں، اس حقیقت کو ہم سب کو جان اور سمجھ لینا چاہیے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہمیں جشنِ آمدِ نبی تو یاد رہ گیا ہے، مشن آمدِ نبی سے ہم سب غافل ہیں۔

اچھی باتیں

’’میں نے کبھی خود کو اتنا سمجھدار نہیں سمجھا کہ دوسرے مجھے ناسمجھ لگنے لگیں اور کبھی اتنی پارسائی کا خیال نہیں آیا کہ دوسرے سب گنہگار دکھنے لگیں ☆ خوش نصیب وہ ہے جو اپنے نصیب پر خوش رہے ☆ اللہ کے بعد بھرسہ صرف اپنے آپ پر رکھنا، لوگوں کا کیا ہے، کچھ چھوڑ جاتے ہیں اور کچھ توڑ جاتے ہیں ☆ اچھے لوگوں کو ٹھوکر مارو گے تو وہ ٹوٹیں گے نہیں؛ لیکن پھسل کر تمہاری زندگی اور پہونچ سے دور چلے جائیں گے ☆ جو ظلم کے ذریعہ عزت چاہتا ہے اللہ اسے انصاف کے ذریعہ ذلیل کرتا ہے ☆ جب تک آپ کے ہاتھ سے خیر نکلتا رہے گا آپ کے اوپر زوال نہیں آ سکتا‘‘۔ (حاصل مطالعہ)

بلا تبصرہ

’’بھارت میں بڑھتے ملازمت کے مواقع اور دعوؤں کے درمیان دسمبر ماہ میں بے روزگاری کی شرح اپنے اعلیٰ سطح پر پہونچ گئی ہے، دسمبر کے پہلے تین ہفتوں میں بے روزگاری، باروزگار افراد کے مقابل آٹھ فی صد سے زیادہ رہی ہے منسٹر فار مائنٹرنگ انڈین اکانومی (CMIE) کے اعلیٰ عہدیدار مہیش ویاس کے مطابق ۲۰۲۰ء میں پہلے لاک ڈاؤن کے بعد سے یہ شرح چھ فی صد سے آٹھ فی صد تک بڑھی ہے، ہفتہ واری اعداد وشمار بتاتے ہیں کہ کام تلاشنے والے گول بڑھے ہیں، لیکن نوکری نہیں بڑھی ہے۔‘‘ (دینک بھاسکر ۲۱/ دسمبر ۲۰۲۲ء)

اللہ کی باتیں----- رسول اللہ کی باتیں

مولانا رضوان احمد ندوی

عزت نفس کے ساتھ زندگی گزاریئے

اور وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے اور جو مال خرچ کروگے بے شک اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے۔(سورہ بقرہ:273)

مطلب: اس آیت میں اللہ رب العزت نے صاحب ثروت کو دین کی خدمت کرنے والے صاحب احتیاج کی حاجت روائی کی تعلیم دی کہ بسا اوقات ضرورت منداحباب اپنی خودداری اور عزت نفس کے باعث دست سوال دارزنہیں کرتے ہیں لیکن مال داروں کی دینی و اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے مستحق افراد کو تلاش کرکے ان کی حاجت روائی کریں اس کے ذریعہ اللہ اس کے مال میں برکت عطا فرمائیں گے اور ان کے اجر وثواب کو بڑھادیں گے کیونکہ اسلام نے خودداری اور عزت نفس کے ساتھ زندگی گزارنے والوں کی حوصلہ افزائی کی ہے اور اس کو ایک اخلاقی وصف سے تعبیر کیا، چنانچہ ایسے وصف کے ساتھ متصف ہونے کی بناء پر اللہ رب العزت نے اصحاب صفہ کی تعریف وتحسین کی کہ وہ جو خودداری و بے نیازی کی زندگی گزارتے ہیں، اس لئے معاشرہ وسماج کے محتاجوں کو بھی وقار و متانت اور شرافت کے دامن کو تھامنے رکھنا چاہئے اور اللہ سے اپنی حاجت وضرورت کا طلبگار ہونا چاہئے اس لئے کہ ایک حدیث میں فرمایا گیا کہ جو شخص محتاج ہوکر اپنی احتیاج کو صرف اللہ کے سامنے پیش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو انسانوں سے بے نیاز فرمادیتے ہیں، حدیث میں یہاں تک کہا گیا ہے تم میں کسی ضرورت مند آدمی کا یہ رویہ کہ وہ رسی لے کر جنگل جائے اور لکڑیوں کا ایک گٹھا اپنی کمر پر لاد کے لائے اور بیچے اور اس طرح اللہ کی توفیق سے وہ سوال کی ذلت سے اپنے کو بچائے اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے سوال کا ہاتھ پھیلائے، پھر خواہ اس کو دیں نہ دیں، گویا مسلم معاشرہ سے پیشہ وارانہ گداگری کی عادت ومزاج کو ختم کرنے اور ان کے اندر محنت ومزدوری کا مزاج بنانے کے لئے سماج کے صالح افراد کو کمربستہ ہونا پڑے گا، ورنہ خواہ مخواہ سائلوں کو اپنے آبائی پیشہ اختیار کرنے اور مال ودولت کو جمع کرنے کی حرص وطمع پیدا ہوتی رہے گی جو ایک بری عادت ہے، ہاں اگر کسی کو اس کی محتاجی ومفلوک الحالی نے دست سوال پر ہی مجبور کردیا تو ایسی صورت میں سماج کے اصحاب ثروت کو اپنی حلال کمائی سے ان کی مدد کرنی چاہئے اور انہیں یہ بات ہمیشہ یادرکھنی چاہئے کہ اسلامی معاشرہ میں ہر شخص کے مال ودولت پر دوسرے افراد کا بھی حصہ ہے۔ زکوٰۃ وصدقات کو اللہ کے علاوہ بھی کچھ نہ کچھ راہ خدا میں خرچ کرنے کو عبادت قرار دیا گیا ہے اور اسے مال میں خیر وبرکت کا ذریعہ تصور کیا گیا ہے اپنے محتاج قریبی رشتہ داروں کو صلہ رحمی کی بنیاد پر خرچ کرنے کا بڑا اجر وثواب ہے، اللہ ہر مسلمان کو اس کی توفیق بخشے آمین۔

علماء کرام، زمین کے چراغ ہیں

حضرت عمر بن عوف مزنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عالم دین کو رسوا اور ذلیل کرنے سے بچو، اور اس سے قطع تعلق مت کرو اور اس کو لوٹ آنے کا انتظار کرو(کنزالعمال حدیث نمبر:28682)

وضاحت: اس حدیث میں سرکار دوعالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو مخاطب کرتے ہوئے تین باتوں کی تاکید کی، اول یہ کہ علماء دین کی توہین وتذلیل سے پرہیز کرو، دوم یہ کہ علماء دین سے قطع تعلق نہ کرو، سوم یہ کہ علماء کے لوٹ آنے کا انتظار کرو۔ ان تینوں باتوں میں اشارہ اس طرف ہے کہ علماء دین کو ہدف ملامت بنانا اور ان کی توہین وتذلیل کرنا دراصل دین حق کی تعلیم کے خلاف علم بغاوت بلند کرنا ہے، کیونکہ یہ علماء دین حق کے ترجمان ہوتے ہیں، وہ اپنے علم وعمل سے قوم وملت کی صحیح سمت میں رہنمائی کرتے ہیں اگر یہ علماء نہ ہوں تو نہ علم کی اشاعت ہوگی اور نہ ہی اسلام کی_____ اس لئے جو ان کا قدرشناس نہیں وہ اللہ اور اس کے رسول کو نہیں پہچان سکتا ہے، ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے علماء کے بارے میں دریافت کیا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ- علماء دنیا وآخرت میں آپ کی امت کے چراغ ہیں، خوش بختی ہے اس کے لئے جس نے ان کو پہچانا اور ان سے محبت کی_____ اور تباہی ہے اس کے لئے جس نے ان کی معرفت سے انکار کیا اور بغض رکھا، گویا جو ان کے ساتھ بے ادبی کرتا ہے یا ان کی شان میں گستاخی کرتا ہے وہ درحقیقت دین کی ناقدری کرتا ہے، کیونکہ آج دنیا میں انہیں کے فکر وعمل اور اصلاحی کوششوں سے اسلامی شعائر کی حفاظت وصیانت ہورہی ہے، وہ نیکی کو پھیلاتے ہیں اور برائیوں کو مٹاتے ہیں، اس لئے حدیث میں فرمایا گیا کہ علماء امت کے چراغ ہیں، ایک موقعہ پر علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ ''ان مکتبوں اور مدرسوں کو اسی حالت میں رہنے دو، غریب مسلمانوں کے بچوں کو انہی مدرسوں میں پڑھنے دو اگر یہ ملا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ جو کچھ ہوگا میں انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں اگر ہندوستان کے مسلمان ان مدرسوں کے اثر سے محروم ہوگئے تو بالکل اسی طرح جس طرح اندلس میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈر اور الحمراء کے نشانات کے سوا اسلام کے پیروں اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا، ہندوستان میں بھی آگرہ کا تاج محل اور دلی کے لال قلعہ کے سوا مسلمانوں کی آٹھ سوسالہ حکومت اور ان کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا''۔

علامہ اقبالؒ نے مستقبل کے جن اندیشوں سے قوم کو متنبہ کیا ہندوستان کی مرکزی حکومت اسلامی تہذیب وثقافت کو مٹانے کی پوری جدوجہد کررہی ہے، ملک کے کئی ریاستوں کے مدارس ان کے نشانے پر ہیں۔ ان حالات میں ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ اصحاب مدارس، یہاں کے علماء وفضلاء کی قدر کریں اور ان کی عزت واحترام کو لازم پکڑیں ہاں اگر آپ ان کے اندر کوئی ایسی کمی وکوتاہی یا بے راہ روی محسوس کریں یا خلاف شریعت وسنت عمل کو دیکھیں تو اس کی بنیاد پر اس وقت بھی اس سے قطع تعلق نہ کریں اور نہ ہی کسی غلط فہمی کے شکار ہوکر برے الفاظ اپنی زبان سے نکالیں بلکہ ادب واحترام کے دائرہ میں ان سے استصواب کرلیں، یہ اور بات ہے کہ علماء بھی اپنے مقام ومنصب کو پہچانیں اور اپنے عالمانہ وقار اور داعیانہ کرادر پر عمل پیرا ہوں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہونے کی حیثیت سے اپنے فرائض منصبی کو انجام دیں اور کتاب وسنت کی روشنی میں امت کی رہنمائی کریں۔ اللھم فقہ فی الدین

دینی مسائل

مفتی احتکام الحق قاسمی

چمڑے کے موزے(خف) پر مسح:۔

س: خف(چرمی موزہ) پر مسح کب کیا جائے گا، طریقہ کیا ہے اور مسح کی مدت کتنی ہے؟

ج: موزہ پر مسح کے صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اسکو وضو کے بعد حدث لاحق ہونے(نقض وضو) سے پہلے پہنا گیا ہو، لہذا وہ موزہ جسے وضو سے پہلے پہنا گیا ہو، اس پر مسح جائز نہیں ہے۔ **و یجوز من کل حدث موجب للوضوء اذا لبسهما علی طهارة کاملة ثم احدث(الهداية با ب المسح علی الخفين)** مسح کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے وضو کیا جائے، یعنی مسنون طریقہ پر ہاتھ وچہرہ دھولیا جائے اور سر کا مسح کرلیا جائے، پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو غیر مستعمل پانی سے تر کرلیا جائے، اس کے بعد دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو کشادہ کرکے دونوں پاؤں کے موزوں پر رکھا جائے، داہنے ہاتھ کو داہنے پاؤں اور بائیں ہاتھ کو بائیں پاؤں پر اور ایک ہی ساتھ دونوں موزوں کو مسح کیا جائے، مسح کی ابتداء پاؤں کی انگلیوں کی طرف سے کی جائے اور ہاتھ کی انگلیوں کو ٹخنوں تک اس طرح کھینچا جائے کہ موزے پر پانی کے خطوط کھنچ جائیں۔(شامی ۱/ ۴۴۸) مسح کی مدت مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات اور مسافر کے لیے تین دن اور تین رات ہے۔'' **و یجوز للمقیم یوما و لیلةو للمسافر ثلثة ايام و لياليها''** (هداية ۱ /۵۷) اور یہ مدت نواقض وضو پیش آنے کے بعد سے شروع ہوتی ہے نہ کہ مسح کے وقت اور نہ ہی موزہ پہننے کے وقت سے، مثلا ایک مقیم شخص نے ظہر کے وقت وضو کرکے موزہ پہنا اور اس کا وضو مغرب کے وقت ٹوٹ گیا تو وہ شخص اگلے مغرب تک(جس وقت وضو ٹوٹ گیا تھا) اس پر مسح کرسکتا ہے۔ **و ابتداء المدة...... من وقت الحدث ای لا من وقت المسح الاول...ولا من وقت اللبس** (شامی ۱ /۴۵۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

اونی یا سوتی موزے پر مسح؟

س: مروجہ اونی یا سوتی موزہ پر مسح درست ہے یا نہیں؟

ج: اونی یا سوتی موزہ پر مسح کے جائز ہونے کے لیے چار شرطیں ہیں، اگر ان میں سے ایک بھی شرط نہ پائی جائے تو مسح جائز نہیں ہوگا:(۱) موزہ اتنا موٹا ہو کہ ایک فرسخ(تین میل) اسکو پہن کر بغیر جوتا چپل کے چلا جائے تو وہ نہ پھٹے۔

(۲) پنڈلی پر بغیر کسی چیز سے باندھے ہوئے از خود اٹکا رہے۔(۳) اس کے پہننے کے بعد پاؤں کی کھال نظر نہ آئے۔(۴) موزہ اتنا موٹا ہو کہ پانی نیچے تک سرایت نہ کرے۔ اور ظاہر ہے کہ اونی اور سوتی موزے میں مذکورہ تمام شرطیں نہیں پائی جاتی ہیں، اس لیے اس پر مسح جائز نہیں ہوگا، البتہ سوتی یا اونی موزہ میں مذکورہ شرطیں پائی جاتی ہوں تو اس پر مسح جائز ہوگا۔'' **او جوربيه....... الثخينين بحيث يمشی فرسخا و يثبت علی الساق بنفسه و لا يری ما تحته و لا يشف''** (الدر المختار ۱ /۴۵۱)

و قال خرج عنه ما كان من كرباس بالكسر و بالثوب من القطن الابيبضو يلحق بالكرباس كل ما كان من نوع الخيط كالكتان و الابريسم و نحوهما (شامی ۱ /۴۵۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

سوتی موزے پر چمڑے کا موزہ:

س: اگر کوئی شخص سوتی یا اونی موزے پر چمڑے کا موزہ پہن رکھا ہو تو اس پر مسح درست ہے یا نہیں۔؟

ج: اگر اونی یا سوتی موزے پر چمڑے کے موزے پہن لیے جائیں تو اس خف پر مسح شرعا جائز ودرست ہے۔ '' **يعلم منه جواز المسح علی خف لبس فوق مخيط من كرباس اور جو خ و نحوهما مما لا يجوز عليه المسح''**(البحر الرائق ۱ /۱۹۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

موزہ اتار لینے کے بعد مسح کا حکم:

س: کیا موزہ اتار لینے یا مدت مسح ختم ہوجانے سے مسح ختم ہوجاتا ہے، اگر مسح ختم ہوجاتا ہے، تو پھر سے وضو کرنا ہوگا یا صرف پیر دھولینا کافی ہوگا؟

ج: موزہ اتار لینے سے مسح ختم ہوجاتا ہے، خواہ دونوں پیر کا موزہ اتارے یا ایک کے اکثر حصہ کا، اسی طرح سے مسح کی مدت پوری ہوجانے سے بھی مسح ختم ہوجاتا ہے۔ اسی طرح مسح کی مدت پوری ہوجانے سے بھی مسح ختم ہوجاتا ہے۔ اب اگر وضو باقی ہے اور مسح ختم ہوگیا ہے تو اعادہ وضو کی ضرورت نہیں ہے، پیر دھولینا کافی ہے۔

''و ينقض المسح كل شئی ينقض الوضوء ... و اذا تمت المدة نزع خفيه و غسل رجليه و ليس عليه اعادة بقية الوضوء و كذا اذا نزع قبل المدة'' (هداية ۱ /۵۹.۶۰)

موزہ کا کتنا پھٹن مانع مسح ہے؟

س: اگر موزہ پھٹ گیا ہو جس سے پیر نظر آتا ہو تو اس پر مسح جائز ہے یا نہیں؟

ج: اگر موزہ کسی جگہ سے پاؤں کی چھوٹی تین انگلیوں کے برابر پھٹا ہو، جس سے چلنے کے وقت پاؤں ظاہر ہوتا ہو تو اس پر مسح جائز نہیں ہے۔(شامی) اور اگر ایک ہی موزہ میں مختلف جگہ خرق(پھٹن) ہو جو علاحدہ علاحدہ تو تین انگلیوں کی مقدار نہیں مگر سب کو ملا دیا جائے تو تین انگلیوں کے برابر ہوجائے، اس صورت میں بھی مسح جائز نہیں، اگر دونوں موزوں میں مختلف جگہ خروق ہیں، لیکن ہر ایک موزہ کی مجموعی خروق تین انگلیوں کے برابر نہیں تو مسح کرنا جائز ہے(شامی)(فتاویٰ علماء ہند ۲/ ۱۴۶)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

امارت شرعیہ بہار اڑیسہ وجھارکھنڈ کا ترجمان

ہفتہ وار
نقیب

پھلواری شریف

جلد نمبر 63/73 شمارہ نمبر 01 مورخہ ۸؍جمادی الثانی ۱۴۴۴ھ مطابق ۲؍جنوری ۲۰۲۳ء روز سوموار

کربِ آگہی

حال ہی میں سابق وزیر مشہور سیاسی قائد جناب عبدالباری صدیقی کے ایک بیان کی وجہ سے سیاسی گلیاروں میں بھونچال آگیا، انہوں نے ایک کانفرنس میں کہہ دیا تھا کہ ''ہندوستان اب رہنے کے لائق نہیں رہا، فرقہ وارانہ کشیدگی کا خطرناک وخوفناک ماحول تیزی سے پھیل رہا ہے، اب یہاں امن پسند لوگوں کے لیے جینا محال ہوگیا ہے، اس لیے میں نے اپنے بچوں سے (بیٹا جو امریکہ میں رہتا ہے اور بیٹی جو لندن میں رہتی ہے) کہا ہے کہ وہیں رہیں اور وہاں کی شہریت مل جائے تو وہاں کی شہریت بھی لے لیں۔''

اس بیان پر جو تبصرے آئے اس میں غیروں نے دل کی بھڑاس نکالی اور انہیں پاکستان چلے جانے تک کا مشورہ دے دیا، عظیم اتحاد کے بعض رہنماؤں نے اسے بزدلی سے تعبیر کیا اور انہیں اس ملک میں ان کی ذاتی حصولیابیاں گنائیں، یعنی انہیں اس ملک نے ایم ایل اے بنایا، وزیر بنایا وغیرہ وغیرہ، سب نے ان کے بیان کے ''اب'' کو نظر انداز کر دیا، عبدالباری صدیقی کی قدر ومنزلت اور عہدے مناصب انہیں یہیں ملے، یہ ٹھیک ہے، لیکن وہ اس نفرت بھرے ماحول اور فرقہ واریت کی بات کر رہے ہیں، جو ''اب'' پیدا ہو گیا ہے، اور یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے، جسے انہوں نے پہلی بار کہا ہے، اس ملک کے فلم اداکار، دانشور اور سیاست داں پہلے بھی اس بات کو بار بار کہہ چکے ہیں، ہر بار اس ملک میں ایسے بیان پر طوفان کھڑا ہوا ہے، راہل گاندھی بھارت جوڑو یاترا کے درمیان جب بار بار یہ کہتے ہیں کہ ''میں نفرت کے بازار میں محبت کی دوکان کھولنے نکلا ہوں'' تو وہ عبدالباری صدیقی کے فکر وخیال کی تائید ہی تو کر رہے ہیں، عبدالباری صدیقی محسوس کرتے ہیں کہ نفرت کی سوداگری اس ملک میں بڑھتی جارہی ہے اور شاید ملک پرانی روش پر لوٹ نہیں پائے گا، اس لیے اپنے بچوں کو محفوظ مستقبل کے لیے ایک مشورہ دے ڈالتے ہیں جس کا انہیں پورا حق ہے، یہ صحیح بھی ہے کہ ایسا مشورہ انہیں نہیں دینا چاہیے تھا اور دیا تھا تو برملا اعلان نہیں کرنا چاہئے تھا، یقیناً انہوں نے حق بات کہی، جیسا محسوس کیا ؛لیکن ساری حق بات کہہ دی جائے اس کا مکلّف کوئی نہیں ہے، یقیناً جب بولیں، حق بولیں، لیکن سارے حقائق بیان کر دینے کے ہم پابند نہیں ہیں، شاید اسی وجہ سے ہر بڑے عہدے میں رازداری کا حلف دلایا جاتا ہے اور چھوٹے دفاتر میں کارندوں سے راز مخفی رکھنے کی توقع کی جاتی ہے۔

جناب عبدالباری صدیقی نے جو کچھ کہا، اور جو کچھ ان کی زبان سے نکلا وہ ان کا کربِ آگہی ہے جو جملوں کی شکل میں ڈھل گیا اور بر سر عام نکل پڑا، دراصل باخبری انسان کو ہر معاملہ میں حساس بنا دیتی ہے، گھر میں بڑا سے بڑا حادثہ ہو جائے، بچے کھیلتے رہتے ہیں، پاس پڑوس بے خبر ہے تو اس پر بھی کوئی اثر نہیں ہوتا؛ لیکن خاندان کے ایسے افراد جو موت کے بعد کی جدائی اور حالات کی سنگینی سے باخبر ہوتے ہیں، ان کا دل روتا ہے، آنکھوں سے اشک بہتے ہیں اور ذہن ودماغ پر غم کی آندھیوں کا بسیرا ہو جاتا ہے، باخبری کے اچھے اثرات بھی مرتب ہوتے ہیں، خوشی کی خبر پر ہر موئے تن سے مسرت کی لہر چلتی ہے اور طربیہ لمحات کے کیف وسرور میں آدمی ڈوب جاتا ہے، اس مثبت اثرات کو اللہ تعالیٰ نے بیان کیا اور فرمایا: اللہ کے بندوں میں علم والے ہی اللہ سے ڈرتے ہیں، اللہ کی عظمت وجلال کا علم جس قدر بندوں کو ہوتا ہے، اللہ کا خوف، خشیت اسی قدر بندوں پر غالب ہوتا ہے، جو اللہ کی کبریائی اور قدرت سے ناواقف ہے اس پر یہ کیفیت طاری نہیں ہوتی۔

جناب عبدالباری صدیقی ہندوستان کے موجودہ حالات سے اچھی طرح واقف ہیں، اس لیے اس کے مضر اثرات نے انہیں کرب میں مبتلا کر رکھا ہے، اور کرب کا بیانیہ جچے تلے جملے اور الفاظ میں نہیں ہوا کرتا وہ تو کبھی آہ کی شکل میں بھی نکل جاتا ہے، عبدالباری صدیقی کے حالیہ بیان کو اسی پس منظر میں دیکھا جانا چاہیے۔

نیپال کی نئی حکومت

نیپال میں وزیر اعظم کے طور پر پشپ کمال داہال عرف پرچنڈ نے نئی حکومت کی باگ ڈور سنبھال لی ہے، انہوں نے حکومت بنانے کے لیے سابق وزیر اعظم کے پی شرما اولی سے ایک سمجھوتہ کیا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ڈھائی سال پرچنڈ حکومت میں رہیں گے اور اس کے بعد نیپال میں سی پی ایم + یو ایم ای کی حکومت بنے گی، جس کے سربراہ اُولی بھی بن سکتے ہیں۔

پرچنڈ کی بحیثیت وزیر اعظم یہ تیسری تاج پوشی ہے، پہلی بار ۲۰۰۸ء میں وہ وزیر اعظم بنے تھے، لیکن یہ مدت کار صرف ایک سال رہی، دوسری بار وہ ۲۰۱۶ء میں وزیر اعظم بنے، لیکن ایک سال میں ہی وزیر اعظم کی کرسی انہیں چھوڑنی پڑی، اب تیسری باری ہے اور بظاہر سمجھوتے کے مطابق مدت کار ڈھائی سال ہوگی، اس درمیان اتار چڑھاؤ اور اُتھل پتھل سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا، ہندوستان میں ہم مایاوتی اور بی جے پی کے درمیان نصف نصف مدت کے لئے اقتدار کے سمجھوتے کے اثر کو دیکھ چکے ہیں، جب مایاوتی نے نصف مدت گذرنے کے بعد اقتدار کی منتقلی سے انکار کر دیا تھا، ہم نے محبوبہ مفتی اور بی جے پی کے بے جوڑ اشتراک کا حشر بھی دیکھا ہے، اس لیے یہ کہنا قبل از وقت ہوگا کہ پرچنڈ آسانی سے اس سمجھوتہ پر عمل کے لیے تیار ہو جائیں گے، اس قسم کے اشتراک کے پیچھے پرچنڈ کی یہ منشا بھی ہو سکتی ہے کہ ابھی تو خیر سے گذرتی ہے آگے کی خبر خدا جانے۔

پرچنڈ کے اسی خیال کی وجہ سے ان کا وزیر اعظم بننے کا خواب پورا ہوا، ورنہ صحیح اور سچی بات تو یہ ہے کہ نیپالی کانگریس کے شیر بہادر دیوبا کو وزیر اعظم ہونا چاہیے تھا؛ کیوں کہ دو سو پچھتر (275) ارکان کی نیپالی پارلیمان میں دیوبا کی پارٹی کو نواسی (89) سیٹیں ملی تھیں جب کہ پرچنڈ کی ماؤوادی کمیونسٹ پارٹی صرف بتیس (32) سیٹیں ہی حاصل کر پائی تھی، انتخاب میں پرچنڈ اور دیوبا کی پارٹی کا اتحاد بھی تھا، پرچنڈ بضد تھے کہ وزیر اعظم وہی بنیں گے اور صدر بھی انہیں کی پارٹی کا ہوگا، یہ بات دیوبا نہیں مان سکتے تھے، اس لیے پرچنڈ اپنے پرانے کمیونسٹ ساتھی اُولی کے گھر پہونچ گیے اور وہاں ان کی دال گل گئی اور وہ وزیر اعظم کی کرسی پر براجمان ہو گیے۔ اس واقعہ کو ہندوستانی سیاسی پس منظر میں دیکھیں تو جس طرح مہاراشٹر میں شیوسینا اور بھاجپا نے ساتھ الیکشن لڑا تھا؛ لیکن کافی اتار چڑھاؤ کے بعد مہا اگھاری وکاس کی حکومت بن گئی اور وہ بھی شیوسینا کے ایک حصہ کی بغاوت کی وجہ سے ٹوٹ گئی، نیپال میں بھی ایسا ہی ہوا کہ الیکشن پرچنڈ نے دیوبا کے ساتھ لڑا اور حکومت اُولی کے ساتھ بنایا۔

ہندوستان کی طویل سرحد نیپال سے لگتی ہے، پاسپورٹ کے بغیر آمد ورفت کی سہولت کی وجہ سے ہندو نیپال کی عوام کے رشتے ایک دوسرے سے انتہائی مضبوط ہیں اور کہنا چاہیے کہ ان کے درمیان بیٹی، روٹی کا رشتہ ہے، یعنی رشتہ داریاں اور تعلقات خوب ہیں، اور معاشی اعتبار سے ایک کا دوسرے سے رشتہ بھی مضبوط ہے، حکومتی سطح پر درآمد، برآمد کا تناسب اس قدر ہے کہ ہندوستان، نیپال کا سب سے بڑا تجارتی شریک ہے، ۲۰۲۱ء میں نیپال جن اشیاء کی سپلائی غیر ملکوں میں کرتا ہے، اس کا 53.1 فی صد ہندوستان کو برآمد کیا تھا، اور ہندوستان سے اس نے 68.3 فی صد درآمد کیا تھا۔

1996 سے 2006 تک نیپال خانہ جنگی کا شکار تھا، ہندوستان نے اس بدترین صورت حال کو درست کرنے میں اہم رول ادا کیا تھا، نومبر 2006 میں نیپال کی حکومت اور سات ماؤنواز پارٹیوں کے درمیان نئی دہلی میں ایک معاہدہ پر دستخط کے نتیجے میں وہاں پھر سے جمہوری حکومت کے قیام اور استحکام کی راہ ہموار ہوئی تھی اور اس کا سارا سہرا ہندوستان کو جاتا ہے؛ لیکن پرچنڈ اور اُولی ہندوستان کی اس جدوجہد کو ماضی میں فراموش کرتے رہے ہیں، ان کا جھکاؤ چین کی طرف زیادہ ہے، انہوں نے اپنے سابقہ دور میں ہندوستان کے کالا پانی، لپیو لیکھ لمپا دھورا پر اپنا دعویٰ پیش کر دیا تھا اور نیپال کے نقشہ میں ان علاقوں کو شامل کر دیا تھا، ہند نزاد نیپالی شہری مدھیشی کا معاملہ بھی ان کے دور میں گرمایا تھا، اگر ان کے نظریات میں تبدیلی ہوئی تو ہندوستان سے تعلقات اچھے رہیں گے، اور اس کی ہمہ جہت ترقی کی راہ ہموار ہو سکے گی اور اگر نیپال نے چین کا رخ کیا تو یقینی طور پر ہندوستان سے تعلقات بگڑیں گے، کیوں کہ ہند، چین تنازعہ ان دنوں شباب پر ہے اور دشمن کے دوست کو دشمن سمجھنے کی روایت قدیم ہے، اس کا خمیازہ نیپال کو بھگتنا پڑے گا، کیوں کہ چین کی پالیسی ملکوں کو قرض کے جال میں پھنسا کر اسے بے بس کرنے کی رہی ہے، اسے سری لنکا کے حالات وواقعات سے سبق سیکھنا چاہیے، ہندوستان سے دوستی نیپال کے لیے ہر حال میں خیر کا باعث ہوگا۔ وزیر اعظم نریندر مودی کا پرچنڈ کو سب سے پہلے مبارکباد دینے کی یہی معنویت ہے۔

آتش بیانی

آتش بازی اور آتش بیانی دونوں پر ہندوستانی عدالت نے بعض شروط وقیود کے ساتھ پابندی لگا رکھی ہے، لیکن نہ تو آتش بازی رک پا رہی ہے اور نہ ہی آتش بیانی، آتش بازی کے اثرات فضائی آلودگی کی شکل میں ہماری زندگی کے لیے خطرات پیدا کر رہے ہیں، اور آتش بیانی نے اس ملک کے ماحول کو نفرت انگیز بنا دیا ہے، جس سے یہاں کی جمہوریت، سیکولزم اور ملک کی یک جہتی کو نقصان پہونچ رہا ہے، جس طرح فضائی آلودگی سے سانس لینا دشوار ہو جاتا ہے اسی طرح نفرت انگیز ماحول میں زندگی گذارنا مشکل ہوتا ہے۔

خطابت میں جوش بیان مطلوب ہوتا ہے، اور عوام بھی ایسی تقریروں سے متاثر ہوتی ہے؛ لیکن اس جوش بیان کا تعلق جب نفرت انگیز مواد سے جڑ جاتا ہے تو وہ آتش بیانی بن جاتی ہے؛ جس سے خرمن امن وسکون جل کر خاکستر ہو جاتا ہے۔ کرناٹک کے شیوموگا میں بھوپال سے رکن پارلیمان پرگیہ ٹھاکر نے جو تقریر کی وہ اسی ذیل میں آتی ہے، وہ وہاں ''ہندو جاگرن ویدیکے'' کے ایک جلسہ سے خطاب کر رہی تھی، پرگیہ ٹھاکر ۲۰۰۸ء میں مالی گاؤں بم دھماکہ کی خاص ملزمہ ہے، جس میں چھ افراد ہلاک اور ایک سو سے زائد زخمی ہوئے تھے۔ وہ خود کو سادھوی کہتی ہے اور یہ کہہ کر وہ ہندوازم میں سادھوی کے تقدس کو پامال کرنے کا کام کرتی رہی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان میں اب یوگی، سادھو، سادھوی سب نے سیاست میں آکر اقتدار پر اپنی رہبانیت کا ''بھوگ'' چڑھا دیا ہے۔

پرگیہ ٹھاکر نے اپنے بیان میں ہندوؤں کو گھروں میں ہتھیار رکھنے کا مشورہ دیتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ اگر ہتھیار ممکن نہ ہو تو اپنے گھروں میں سبزی کاٹنے والے چاقو کی دھار تیز کرالیں؛ تاکہ سبزی کاٹنے کے ساتھ اس سے دشمنوں کا سر بھی کاٹا جا سکے، سب جانتے ہیں کہ پرگیہ جب دشمن کا لفظ استعمال کرتی ہے تو اس کا اشارہ مسلمان اور بعض اقلیتوں کی طرف ہوتا ہے، اور وہ مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کو ابھارنے اور جوش وولولہ پیدا کرنے کا کام پہلے بھی کرتی رہی ہے، اس کا پارلیامنٹ تک پہونچنا مسلمانوں کے خلاف اسی نفرت پھیلانے کا شاخسانہ ہے، وہ بابری مسجد کو فضلہ، ناتھورام گوڈسے کو قابل تعریف اور دگ وجے سنگھ کو دہشت گرد قرار دے چکی ہے۔

عدالت کے فیصلے کے مطابق اس قسم کے نفرت انگیز بیانات کا پولیس کو از خود نوٹس لے کر ایف آئی آر درج کرنا چاہیے، لیکن جب پولیس نے از خود نوٹس نہیں لیا تو ترنمول کانگریس کے ترجمان ساکیت گوکھلے اور سیاسی قائد تحسین پونا والا نے کرناٹک پولیس کو باقاعدہ تحریری شکایت کی، لیکن شموگا کے اس پی، جی کے متھن کمار نے جسمانی طور پر حاضر ہو کر ایف آئی آر درج کرنے کا حکم دیا، بڑی مشکل سے پرگیہ ٹھاکر کے خلاف ایف آئی آر درج ہو سکا اور اب کرناٹک پولیس نے تحسین پونے والا کو تحقیق میں شامل ہونے کا حکم دیا ہے، دیکھیے آگے آگے ہوتا ہے کیا۔

اس معاملہ میں چوں کہ پولیس نے از خود اس نفرت آمیز تقریر کا نوٹس نہیں لیا ہے اسی لئے یہ سپریم کورٹ کے فیصلہ کی مخالفت اور عدالت کی توہین کے مترادف ہے، اس لیے ہتک عدالت کے قانون کے تحت معزز ججوں کو پولیس کو عدالت میں طلب کرنا چاہیے، کیونکہ اس قسم کے معاملات پر روک عدالت کی سختی سے ہی لگ سکتی ہے، بھاجپا حکومت سے ایسے معاملات میں کوئی توقع رکھنا فضول ہے۔

یادوں کے چراغ ✍: **مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی**

ڈاکٹر بی ایچ خان

مشہور ہڈی معالج (آرتھو پیڈک سرجن) جامع مسجد گیا، کانگریس میڈیکل سیل اور بہار مسلم انٹلکچوئل فارم کے سابق صدر ڈاکٹر بدر ہدیٰ خان ساکن قابل پور مرچا ضلع ویشالی کا ان کی رہائش گاہ بورنگ روڈ پٹنہ میں ۲۳؍دسمبر ۲۰۲۲ء مطابق ۲۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۴ھ بوقت صبح بروز جمعہ انتقال ہوگیا، وہ زمانہ دراز سے شریف کالونی پٹنہ میں مقیم تھے، حال ہی میں وہ اپنا مستقر تبدیل کرکے بورنگ کنال روڈ منتقل ہوئے تھے، اس نئے مکان میں گر جانے کی وجہ سے ان کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی، انہیں پارس اسپتال منتقل کیا گیا، علاج کے بعد وہ اپنے گھر واپس آگیے تھے، مگر وقت موعود آ گیا تھا، اس لیے جاں بر نہ ہو سکے، جنازہ ان کے آبائی گاؤں قابل پور سرائے ویشالی لے جایا گیا، جہاں ۲۴؍دسمبر ۲۰۲۲ء کو بعد نماز عصر ان کے جنازہ کی نماز حافظ ابوالکلام صاحب ساکن فتح آباد، سرائے ویشالی نے پڑھائی اور مقامی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی، کم وبیش ایک ہزار لوگ جنازہ میں موجود تھے، جن میں پٹنہ، گیا، مظفر پور اور مقامی حضرات کی بڑی تعداد موجود تھی، ان میں علماء، صلحاء، صحافی اور دانشور حضرات بھی شامل تھے، زندگی میں انہوں نے اپنی آخری آرم گاہ کی جگہ کی تعیین کر دی تھی، اسی جگہ سپرد خاک ہوئے۔ ان کی دو شادی تھی، پس ماندگان میں محل اولیٰ سے تین بیٹے دو بیٹیاں اور محل ثانی سے تین بیٹے ہیں، سبھی برسر روزگار ہیں۔

ڈاکٹر بی ایچ خان ابن محمد ناظم خان کی ولادت ۲۱؍جون ۱۹۳۶ء کو قابل پور مرچا، سرائے موجودہ ضلع ویشالی میں ہوئی، ابتدائی تعلیم مقامی ہائی اسکول سرائے سے پائی، میڈیکل سائنس میں وہ ایم بی بی اس، ایم ایس (آرتھو) ایف آئی سی ایس، اے او ایف تھے، وہ زمانہ دراز تک سعودی عرب میں خدمات انجام دیتے رہے، وہاں سے لوٹنے کے بعد انہوں نے پٹنہ شریف کالونی میں رہائش اختیار کی، اور یہاں ڈاکٹر خان مکہ آرتھو پیڈک سنٹر اینڈ ریسرچ انسٹی چیوٹ کے نام سے پرائیوٹ کلنک شروع کیا، گیا ان کی سسرال تھی اس لیے وہاں بھی مریضوں کو دیکھا کرتے تھے، ان کا میدان عمل پٹنہ اور گیا تھا، وہ دونوں جگہ سیاسی اور سماجی کاموں میں اپنی حصہ داری نبھاتے تھے، گیا میں انہوں نے خواجہ غریب نواز فٹ بال ٹورنامنٹ کا انعقاد کیا تھا، جس میں ملک بھر کی چنندہ ٹیموں نے حصہ لیا تھا، انہوں نے گیا کی جامع مسجد کمیٹی کے صدر کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیں، وہ زمانہ تک کانگریس میڈیکل سیل کے صدر بھی رہے، ان دنوں ان کی سیاسی وابستگی جدیو سے تھی اور وہ نتیش کمار کے انتہائی قریبی سمجھے جاتے تھے۔

ڈاکٹر بی ایچ خان نے مذہبی مزاج پایا تھا، عہد شباب مکہ کی پاک سرزمین پر گذارا تھا، اس لیے ان کی فکر وخیال کا رخ راست تھا، وہ حج کے موقع سے مختلف اخبارات میں حج کی فضیلت واہمیت اور ارکان کی ادائیگی کے موضوعات پر مختصر مضامین لکھتے اور شائع کراتے تھے، ان کا دسترخوان وسیع تھا، مہمان نوازی ان کی سرشت کا حصہ تھا جو رمضان المبارک میں افطار پارٹی اور یوم عید کو عید ملن پارٹی میں بدل جاتا ان کی مجلسوں میں سیاسی، سماجی، مذہبی اور صحافی حضرات کی کثرت ہوتی، وہ امارت شرعیہ اور دیگر ملی تنظیموں سے قریب تھے، حسب توفیق وسہولت ہر ایک کے کام آتے، ان کی شناخت سماج میں ملن سار، خوش اخلاق، غریب پرور اور دوسروں کے کام آنے والے شخص کی تھی، اس کے باوجود وہ عام انسان تھے اور انسانوں کے تمام فیصلے صحیح ہوں، ایسا نہیں کہا جا سکتا، غلطیاں ہر ایک سے ہوتی ہیں، سماج کے لوگ اپنے تعلقات کی نوعیت سے رائے قائم کرتے ہیں، اس لیے ڈاکٹر بی ایچ خان سے بھی غلطیاں ہوئی ہوں گی، لیکن ہمیں تو مرنے والوں کے محاسن بیان کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اللہ سے ان کی مغفرت کی دعا کرنی چاہیے سیأت کو حسنات سے بدل دینے کا ذکر تو قرآن میں موجود ہے، اس خالق و مالک کو جو ستر ماؤں سے زیادہ مہربان ہے، کسی حوالے اور بہانے کی ضرورت ہی کب ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، غفار بھی ہے اور ستار بھی۔

ڈاکٹر بی ایچ خان زمیندار گھرانے کے چشم وچراغ تھے، پٹنہ اور گیا میں جاری سر گرمیوں کے ساتھ وہ اپنے آبائی گاؤں قابل پور، سرائے میں بھی سماجی اور ملی کاموں کے لیے فکر مند رہا کرتے تھے، انہوں نے اپنی زمین میں ایک معیاری اسکول آکسفورڈ انٹرنیشنل اسکول کے نام سے قائم کرنے کا منصوبہ بنایا تھا، اس کے لیے ایک بار وہ ماہرین تعلیم کو لے کر گاؤں گیے بھی تھے، زمین کی پیمائش وغیرہ بھی ہوگئی تھی، لیکن کام آگے نہیں بڑھ سکا، انہوں نے اپنے عالیشان مکان کے احاطہ میں ایک مسجد بھی بنوائی تھی، ایک حافظ کو رکھ کر بنیادی دینی تعلیم اور مسجد کو آباد کرنے کا نظم کر رکھا تھا، امام اور معلم کا سارا نفقہ ان کے ذمہ تھا، میرے علم میں ہے کہ ایک امام نے تو پوری زندگی وہیں گذار دی، پوری زندگی گذارنے کی بات لکھ دینا تو آسان ہے، لیکن امامت میں یہ آسان نہیں ہوتا، زمینداروں کے کروفر اور ان کی غلط صحیح ہدایتوں کو برداشت کر لینا آسان نہیں ہوتا۔

ڈاکٹر صاحب سے میری ملاقات امارت شرعیہ کے آنے کے بعد کی تھی، حالاں کہ ان کے گاؤں میں میرا آنا جانا مدرسہ احمدیہ ابا بکر پور ویشالی کے دوران قیام ہی سے تھا، مجھے مذہبی تعلیم کے حصول کے لیے دار العلوم مئو لے جانے والے اسی گاؤں کے مولانا خلیل الرحمٰن علیہ الرحمہ تھے، میرے والد نے کوئی پینتیس (35) سال آدرش ہائی اسکول سرائے میں گذارا، اسی گاؤں مرچا کے ریاض الحق خان مرحوم اس اسکول کے سکریٹری تھے، میں نے اپنا پہلا محراب بھی ان تعلقات کے نتیجہ میں قریب کے محلّہ چک اور دوسری بار مرچا گڈھ میں سنایا تھا، ان تعلقات کی وجہ سے وہ مجھ سے واقف تھے، میری پہلی ملاقات امارت شرعیہ کے دفتر میں ہوئی، جہاں وہ کسی کام سے آئے تھے، بعد میں قربت بڑھتی گئی، حج ہاؤس بننے کے بعد جب دعائیہ مجلس کا آغاز ہوا تو وہ جھوم جھوم کر عازمین کو تلبیہ پڑھاتے، اور عربی لب ولہجہ کی نقل کرتے، جس سے خاص کیف وسرور پیدا ہو جاتا، اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین

کتابوں کی دنیا ✍: **مولانا رضوان احمد ندوی**

(تبصرہ کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے آنے ضروری ہیں)

یادوں کے چراغ جلد سوم

مولانا مفتی محمد ثناء الہدیٰ صاحب قاسمی، امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ کے نائب ناظم، ہفتہ وار نقیب کے مدیر مسئول، اردو کے مشہور صاحب قلم اور شگفتہ زبان مقرر وخطیب ہیں، ان کے قلم سے چار درجن سے زائد کتابیں شائع ہوکر مقبول ہو چکی ہیں، پیش نظر کتاب ''یادوں کے چراغ'' کی تیسری جلد منصۂ شہود پر آئی ہے، جس میں انہوں نے ان معاصر شخصیات پر اپنے احساسات وتاثرات کو قلمبند کیا ہے، جو سب زیر خاک جا چکے ہیں، ان میں کچھ بزرگ بھی ہیں، کچھ خورد بھی، عالی جناب اور عالی مقام شخصیتیں بھی ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں جن کو یاد رکھنے والے مفتی صاحب جیسے چند باوضع وباوفا اس دنیا میں رہ گئے ہیں۔

اس طرح اس مجموعہ میں ہر رنگ اور ہر میدان کے لوگ ہیں، اس لئے مفتی صاحب نے ان اصحاب کے وہی پہلو بیان کئے ہیں جو پسندیدہ اور قبول عام کے مستحق ہیں اس لحاظ سے کتاب کی ایک تاریخی حیثیت بھی ہوگئی ہے، ان میں متعدد نام ایسے ہیں جن کی یاد اس مجموعہ کے ذریعہ باقی رہے گی، کتاب کے آغاز میں مصنف نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر کیا کہ ''یہ کتاب جو ابھی آپ کے ہاتھ میں ہے، ان میں بہت سارے نامور حضرات کی کتاب زندگی کو مختصر خاکوں کی شکل میں پیش کیا گیا ہے، بعض گمنام لوگوں کے بھی اوراق حیات کو پلٹا گیا ہے، تاکہ عام لوگوں کی زندگی میں جو روزمرہ کے معاملات ومشاہدات ہیں، ان سے بھی سبق حاصل کیا جا سکے''۔ (صفحہ ۸)

اس مجموعہ میں جناب ڈاکٹر قاسم خورشید ماہر تعلیم وسابق ہیڈ لینگو یجز ایس سی ای آر ٹی بہار کا فاضلانہ پر مغز مقدمہ ''مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی - آدھی ملاقات اور یادوں کے چراغ کی روشنی میں'' کے عنوان سے بڑا ہی گرانقدر ہے، جس میں انہوں نے لکھا کہ ''مفتی صاحب متعدد شخصیتوں کے حصار میں رہے، ان کے اثرات بھی قبول کئے اور بڑی بات یہ بھی ہے کہ جس شخص سے رشتہ قائم کیا، پوری شدت کے ساتھ نبھاتے بھی رہے اور مستقل یادوں کے چراغ بھی روشن کرتے رہے، ہنوز یہ سلسلہ قائم ہے۔ (صفحہ ۱۱)

اس لئے جب بھی کسی ممتاز شخصیت کے سانحہ ارتحال کی خبر گردش کرتی ہے، مفتی صاحب کا قلم حرکت میں آجاتا ہے، اور کبھی کبھی تو ایسا شبہ ہونے لگتا ہے کہ گویا مضمون پہلے سے تیار تھا، یہ ان کے کمال درجہ کی فنی مہارت کی علامت ہے۔

بہر حال زیر تبصرہ مجموعہ کے بیشتر سوانحی خاکے ہفتہ وار نقیب پٹنہ کے علاوہ دوسرے جرائد ورسائل کی زینت بن چکے ہیں، جنہیں اب کتابی صورت میں طبع کر دیا گیا ہے، مصنف نے کتاب کو چار ابواب وفصول میں تقسیم کیا ہے، باب اول میں علماء ومشائخ کے احوال وآثار کا تذکرہ ہے، ان میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی، حضرت مولانا ابوسلمہ شفیع، علامہ محمد حسن باندوی، قاضی جسیم الدین رحمانی، شیخ ثانی حضرت مولانا عبد الحق اعظمی، مولانا محمد یونس جونپوری سمیت 32 اصحاب فضل وکمال کا ذکر ہے، باب دوم میں شعراء، ادباء سیاست داں اور ماہرین تعلیم جیسے پروفیسر لطف الرحمٰن، جناب محمد عبد الرحیم قریشی، ڈاکٹر سید حسن، الحاج محمد شفیع قریشی، بیکل اتساہی، ڈاکٹر ثوبان فاروقی، انور جلال پوری کی ادبی، فکری اور عملی کارناموں کو بیان کیا گیا ہے، باب سوم میں ۴؍بھولے بسرے لوگوں جناب محمد ہاشم انصاری، حاجی محمد اسلم آرزو، حاجی محمد اسلم (اڈیشہ) اور ایک خداترس خاتون (والدہ مولوی ممتاز احمد امارت شرعیہ) کو شریک اشاعت کیا گیا ہے، اور آخری باب میں داغہائے سینہ کے عنوان سے مفتی صاحب نے اپنے والد ماجد حاجی محمد نور الہدیٰ رحمانی اور برادر اکبر ماسٹر محمد ضیاء الہدیٰ رحمانی کی سیرت، کردار وعمل پر سیر حاصل گفتگو کی ہے، اس طرح یہ مجموعہ ہر لحاظ سے قابل دید اور سیرت وسوانح سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔

کتاب کا دوسرا رخ، خوگر حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے کہ اس مجموعہ کی طباعت دسمبر ۲۰۲۲ء میں ہوئی اور ان میں جن مرحومین کے تذکرہ کے ذیل میں کسی زندہ شخصیت کا ذکر آیا ان میں بعض ایسے لوگ ہیں جو داغ مفارقت دے چکے ہیں، ان کے نام کے آگے زندوں کے القاب وآداب تحریر ہیں، جس سے قارئین کو شبہ ہو سکتا ہے کہ کیا ابھی بھی وہ بقید حیات ہیں، اس لئے کتاب کی ترتیب وتدوین اور تسوید کے وقت اس پہلو پر نظر رہنی چاہئے تھی جس کی طرف بے توجہی برتی گئی، گرچہ اردو میں چھپنے والی کتابوں میں اس طرح کی غلطی کوئی نئی چیز نہیں ہے، جس کا شکوہ کیا جائے، مگر سونے کے تاروں سے بنی چادروں پر معمولی داغ بھی نگاہوں میں کھٹکنے لگتا ہے۔

بہر حال کتاب اپنے موضوع پر عمدہ اور قابل قدر کاوش ہے اور اس کے لیے ناشر کتاب حضرت مولانا مفتی مبین احمد قاسمی بانی مدرسہ طیبہ قاسم العلوم بردی پور، سمری، دربھنگہ (بہار) بھی بجا طور پر شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے کتاب کو اپنے ادارہ کی طرف سے طبع کرا کر مفتی صاحب کے ذہنی الجھن کو ہلکا کر دیا، ویسے بھی مفتی صاحب کو اس فن میں کمال درجہ کی مہارت حاصل ہے کہ کونسی کتاب کہاں سے اور کیسے شائع کروانی ہے، ہم جیسوں کے لیے یہ درس عبرت ہے، بہر کیف ہم ان دونوں بزرگوں کی صحت وعافیت کے لئے دعاء خیر کرتے ہیں کہ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ ہو، طابع کو مزید وسعت عطا فرمائے۔ آمین۔

232 صفحات پر مشتمل اس کتاب کا گیٹ اپ وشیٹ اپ جاذب نظر، کاغذ معیاری اور گرد پوش پرکشش ہے، جس کی قیمت 400 روپے طبع ہے، ضرورت مند وخواہش مند اصحاب ذوق مکتبہ امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ یا براہ راست مصنف کتاب کے موبائل نمبر 9304919720 پر رابطہ کرکے طلب کر سکتے ہیں۔

حکایات اہل دل

مولانا رضوان احمد ندوی

علم چاہیئے یا دولت:

بنی امیہ کے عہد میں ربیعۃ الرائے ایک بڑے امام وعلامہ گزرے ہیں، ان کے والد کا نام فروخ تھا۔فوج میں اپنے عہدہ پر ملازم تھے، ربیعۃ الرائے ابھی ماں کے پیٹ ہی میں تھے کہ خلیفۂ وقت نے ایک بڑا لشکر فتح کرنے کو روانہ کیا۔اس لشکر کے افسر فروخ مقرر ہوئے، جب یہ خراسان جانے لگے تو تیس ہزار اشرفیاں بیوی کو دیں کہ انہیں حفاظت سے رکھنا۔

یہ چلے گئے تو ربیعۃ الرائے پیدا ہوئے، ان کی والدہ اپنے شوہر کا انتظار کرتی رہیں کہ وہ آکر اپنے بیٹے کو دیکھیں۔مگر اتفاق سے خراسان کی لڑائی نے طول کھینچا، اس لئے وہ نہ آسکے۔ان کی بیوی نہایت عمدگی سے ربیعۃ الرائے کی پرورش کرتی رہیں۔ جب یہ ذرا بڑے ہوئے تو ماں نے پڑھنے بٹھایا۔اُن کی دلی آرزو تھی کہ میرا بیٹا پڑھ لکھ کر عالم وفاضل بنے۔

چنانچہ تعلیم کے سلسلہ میں انہوں نے شوہر کی اشرفیاں خرچ کرنی شروع کردیں۔ربیعۃ الرائے بہت ذہین اور سعادت مند تھے، بہت جلد تعلیم حاصل کرکے مشہور عالم بن گئے ان کا مکان مدینہ میں تھا اور وہیں مسجد نبویؐ میں درس دینا شروع کیا۔ کچھ ہی دنوں میں ان کے علم وفضل کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا اور بڑے بڑے علماء جیسے حضرت امام مالک اور خواجہ حسن بصری وغیرہ ان کے درس میں شامل ہونے لگے۔ماں اپنے بیٹے کو دیکھ دیکھ کر خوشی سے پھولی نہ سماتی تھیں، انہیں ذرا بھی افسوس نہ تھا کہ شوہر کی دی ہوئی اشرفیاں سب کی سب نذرِ تعلیم ہوچکی تھیں۔

پورے ستائیس سال بعد فروخ کو لڑائی سے واپسی کا موقع ملا، گھوڑے پر سوار ہاتھ میں نیزہ لئے مدینہ میں اپنے گھر پہونچے، دروازہ بند تھا، نیزے کی انی سے دروازہ کھٹکھٹایا حضرت ربیعۃ الرائے گھر ہی میں موجود تھے، دروازہ کھول کر باہر آئے، باپ کیونکر اپنے نادیدہ بیٹے کو پہچانتا، کچھ کہے سنے بغیر بلا تکلف مکان میں گھسنے لگے کہ خود انہیں کا مکان تھا۔حضرت ربیعہ نے جب دیکھا کہ ایک اجنبی شخص ہے جو مکان میں گھسا چلا آتا ہے تو بہت غصے میں بولے:-

''اے خدا کے دشمن! میرے گھر میں تیرا کیا کام؟'' فروخ نے کچھ تلخ جواب دیا، جس سے بات بڑھ گئی۔آس پاس کے لوگ جمع ہوگئے، حضرت امام مالکؒ بھی آگئے انہوں نے فروخ کو سمجھایا کہ بڑے میاں! اگر آپ کو ٹھہرنا ہی ہے تو دوسرا مکان میرا موجود ہے، اس میں ٹھہر جایئے۔فروخ نے کہا ''جناب والا! میرا نام فروخ ہے، اور یہ گھر جس میں داخل ہورہا ہوں، میرا ہی ہے''۔

ربیعۃ الرائے کی والدہ دروازے ہی کے پاس کھڑی سب کچھ سن رہی تھیں، انہوں نے جب یہ سنا تو چلا کر کہا:-''ارے یہ تو ربیعہ کے باپ ہیں''۔ جب یہ عقدہ کھلا، تو باپ بیٹے گلے مل کر خوب روئے اور گھر کے اندر گئے۔موقع پاکر فروخ نے بیوی سے محبت بھرے انداز میں پوچھا:۔یہ میرا ہی بیٹا ہے؟'' بیوی نے کہا:-''بے شک آپ ہی کا''۔تھوڑا سا وقت گزرنے کے بعد فروخ کو اپنی دی ہوئی اشرفیوں کا خیال آیا تو بیوی سے پوچھا کہ وہ کہاں ہیں؟ بیوی نے کہا ''گھبرایئے نہیں، وہ نہایت حفاظت سے ہیں''۔

اس دوران میں حضرت ربیعۃ الرائے مسجد میں درس دینے چلے گئے۔ کچھ دیر بعد فروخ بھی نماز پڑھنے پہونچے۔کیا دیکھتے ہیں، ایک شخص بیچ میں بیٹھا ہے اور اس کے اردگرد آدمیوں کا ہجوم ہے، ربیعۃ الرائے اس وقت سر جھکائے ہوئے تھے اور ایک اونچی ٹوپی سر پر تھی۔فروخ پہچان نہ سکے کہ میرا ہی بیٹا ہے، لوگوں سے دریافت کیا کہ کون بزرگ ہیں؟ جواب ملا ''امام ربیعۃ الرائے ہیں''۔

فروخ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور بے اختیار کہا ''لقد رفع اللّٰہ ابنی'' (بے شک خدا نے میرے بیٹے کا مرتبہ بلند کیا)۔نماز پڑھ کر مسرور وشاداں گھر آئے اور اپنی بیوی سے واقعہ بیان کیا۔تب بیوی نے کہا:-''آپ بتایئے اپنے بیٹے کی یہ علمی شان آپ کو پسند ہے، یا تیس ہزار اشرفیاں؟'' فروخ بولے ''واللہ میں یہ شان زیادہ پسند کرتا ہوں'' تو سنئے! بیوی نے کہا ''سب اشرفیاں میں ربیعہ کی تعلیم وتربیت پر صَرف کرچکی ہیوں''۔فروخ نے کہا ''خدا کی قسم! تم نے وہ مال ضائع نہیں کیا''۔

علماء کی قدر کیجئے

حضرت ابوحازم اپنے وقت کے بہت مشہور صاحب علم گزرے ہیں، ایک مرتبہ خلیفۂ وقت سلیمان بن عبد الملک نے ان کو قصر خلافت میں مدعو کیا، اور کہنے لگا کہ،، اے ابوحازم! کیا وجہ ہے کہ ہم لوگ موت کو ناپسند کرتے ہیں؟'' ابوحازم نے جواب دیا کہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ تم لوگوں نے زندگی کو آباد کرلیا ہے اور آخرت کو ویرانہ بنادیا ہے، اسی لئے آبادی سے ویرانہ کی طرف جاتے ہوئے ڈرتے ہو۔سلیمان بن عبد الملک نے کہا کہ:-آپ نے صحیح فرمایا۔لیکن یہ تو ارشاد فرمایئے کہ اب اللہ کی طرف کیسے متوجہ ہوا جائے؟ ابوحازم:-نیکوکار کی مثال ایسی ہے جو اپنے اہل وعیال سے دور رہا ہو اور پھر آگیا ہو لیکن جس کی زندگی بدی ہی میں کٹی ہو تو اس بھاگے ہوئے غلام کی طرح ہے جو اپنے آقا کے سامنے پیش کیا جائے۔یہ سن کر سلیمان بن عبدالملک رونے لگا، اور کہا اے کاش ہمارا بھی کوئی مقام خدا کے یہاں ہوتا! ابوحازم:-اے خلیفہ! اپنے آپ کو کتاب اللہ کی ترازو پر رکھو تو خود بخود معلوم ہوجائے گا کہ تمہاری حیثیت کیا ہے؟ سلیمان بن عبدالملک نے کہا کہ:-اور یہ مقام کس آیت میں واضح ہوا ابوحازم نے کہا:-اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''ان الابرار لفی نعیم و ان الفجار لفی جحیم'' سلیمان:-لیکن یہ اللہ کی رحمت کہاں ہے؟ ابوحازم:-قریب من المحسنین''۔سلیمان:-اے ابوحازم! ہمارے لئے دعاء کیجئے! ابوحازم:-اے پروردگار! اگر سلیمان بن عبدالملک تیرا دوست ہے تو اس کو بھلائی کی توفیق عطا فرما! اور اگر تیرا دشمن ہے تو اس شخص کی پیشانی پکڑ کر بھلائی کی طرف لے جا۔یہ کہہ کر ابوحازم اٹھ کھڑے ہوئے، اور وہ تمام انعامات جو خلیفۂ وقت نے عطا کیے تھے واپس کردئے، اور فرمایا، جب تک علماء اپنے علم کو امراء سے بچاتے رہیں گے امراء ان سے ڈرتے رہیں گے (صفۃ الصفوہ: ج 2 ص 89)

عالی ظرفی ایسے ہوتے ہیں:

سرزمین اندلس کے ایک باغ میں کسی عیسائی اور ایک نوجوان مسلمان کے درمیان کسی بات پر جھگڑا ہوگیا، یہ وہ دور تھا جب مسلمانوں کے اقتدار کا سورج اندلس کے آسمان پر چمک رہا تھا، جھگڑے کے نتیجے میں تلواریں میان سے باہر نکل آئیں اور عیسائی مسلمان کو قتل کرنے میں کامیاب ہوگیا، قتل کی خبر تیزی سے سب طرف پھیلی، تو بہت سے مسلمان باغ کی طرف دوڑے اور عیسائی کو تلاش کرنے لگے، عیسائی جان بچانے کی فکر میں باغ کی ایک چھوٹی سی دیوار سے کودا اور باہر کوڑے کرکٹ کے ایک ڈھیر میں چھپ گیا، کچھ دیر تو چھپا رہا لیکن گندگی کے باعث طبیعت گھبرائی تو وہاں سے نکلا۔

مسلمان باغ کے اردگرد تلاش میں مصروف تھے، اس لئے فرار کا موقع نہ ملا۔قریب ہی ایک مکان نظر آیا، اس کے دروازہ پر پہونچا تو ایک بوڑھا عرب نکل آیا، عیسائی نے اس سے روکر کہا کہ میں ایک مجرم ہوں، مجھے پناہ دو، شریف عرب کو عیسائی کی حالتِ زار دیکھ کر رحم آگیا، اور اسے گھر میں لے گیا اور پناہ دی۔اتفاق دیکھئے کہ جس مسلمان کو اس عیسائی نے قتل کیا تھا اور وہ اسی بوڑھے عرب کا اکلوتا لڑکا تھا۔بوڑھے عرب کو معلوم ہوگیا کہ اس کا جوان لڑکا قتل کردیا گیا، اور قاتل یہی عیسائی ہے، جو اس کے اپنے گھر میں موجود ہے۔منہ سے ٹھنڈی آہ نکلی، غصہ آیا، تابِ ضبط نہ رہی، لیکن یہ احساس دل سے ایک لمحہ کو نہ نکلا کہ تو نے عیسائی کو پناہ دی ہے۔آخرکار اس نے عیسائی سے صرف اتنا کہا:-''اے جلاد! تو نے جسے قتل کیا وہ میرا ہی بیٹا تھا، اور اس گھر میں وہی ایک چراغ تھا جسے تو نے گل کردیا، میرے بڑھاپے کا وہی ایک سہارا تھا، میری زندگی اس کی موت سے برباد ہوگئی۔لیکن مجبور ہوں، عربوں کا یہ شیوہ نہیں کہ مہمان پر ہاتھ اٹھائیں، میں مسلمان ہوں، میں نے تجھے پناہ دی ہے، جا! میں تجھے زندہ چھوڑتا ہوں''۔ پھر رات ہوئی تو بوڑھے نے کہا کہ اب تو یہاں سے چلا جا، میں نے اپنے بیٹے کا خون معاف کیا۔اس کے بعد ایک اونٹ عیسائی کے حوالہ کیا، اور کہا کہ اس پر سوار ہوکر رخصت ہو۔عیسائی سوار ہوکر رخصت ہوا، اور مسلمان عرب کی یہ عالی ظرف ہمیشہ کے لئے تاریخ کے زریں صفحات پر ثبت ہوگئی۔

محبت الٰہی سے شرمسار

عبدالواحد بن زید فرماتے ہیں کہ ایک روز میں بازار گیا، راستہ میں ایک شخص ملا، جس کو جذام کی بیماری تھی، اور بدن پر زخم بھی تھے، گلی کے لڑکے اس کو پتھروں سے مار رہے تھے جس کی وجہ سے اس کا چہرہ خون آلود تھا، لیکن اس کے ہونٹ حرکت کررہے تھے، میں اس کے قریب گیا، تاکہ بات سن سکوں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے؟ میں نے سنا کہ وہ شخص کہہ رہا ہے ''اے میرے رب! تو خوب جانتا ہے اگر میری ایک ایک بوٹی قینچی سے کاٹ دی جائے اور میری ہڈیاں آرے سے چیر ڈالی جائیں تو بھی میری محبت تیرے ساتھ بڑھتی جائے گی۔اب تجھ کو اختیار ہے جو چاہے کر۔(صفۃ الصفوہ: ج 4 ص 11)

کون سب سے زیادہ سخی ہے

تین شخص آپس میں بحث کررہے تھے، کہ ہمارے زمانے میں سب سے زیادہ سخی کون ہے؟ ایک شخص بولا عبداللہ بن جعفر سے بڑھ کر اس وقت کوئی سخی نہیں۔دوسرا بولا، سب سے بڑا سخی قیس بن سعد ہے، تیسرے نے کہا، ہرگز نہیں، سب سے بڑا سخی آج کل عرابۂ اوسی ہے، یونہی بحث ہوتی رہی اور کوئی فیصلہ نہ ہوسکا، ایک صاحب وہاں اور موجود تھے، انہوں نے کہا ''بھائیو! فضول لڑتے ہو، بہتر صورت یہ ہے کہ تم میں سے ہر شخص جس کو سب سے زیادہ سخی سمجھتا ہے، اس کے پاس جائے اور دست سوال دراز کرے، پھر کون کیا لیکر لوٹتا ہے، اسی سے فیصلہ ہوسکے گا کہ کس کی سخاوت بڑھ گئی ہے''۔؟ یہ بات معقول تھی، تینوں نے منظور کرلی۔اور ایک شخص عبداللہ بن جعفر کے پاس پہنچا، وہ اس وقت کہیں جانے کو تیار تھے، ان کا ایک پاؤں رکاب میں تھا۔اس شخص نے اسی حالت میں کہا کہ میں مصیبت زدہ مسافر ہوں، مجھے ڈاکوؤں نے لوٹ لیا ہے۔جعفر نے سنا تو پاؤں رکاب سے نکال لیا، اور کہا:-''اس اونٹنی پر سوار ہوجاؤ اور جو کچھ خرجی میں ہے سب لے لو''۔اس شخص نے اونٹنی لی اور خرجی دیکھی تو اس میں چار ہزار اشرفیاں اور کئی قیمتی چادریں تھیں، یہ سب لے کر چلا آیا۔اس کے بعد قیس بن سعد کا طرفدار قیس کے گھر پہونچا، پتہ چلا کہ قیس سورہا ہے، اس نے قیس کی باندی سے کہا کہ قیس کو اٹھادے۔باندی نے کہا، تمہاری جو ضرورت ہو بیان کرو؟ اس نے جواب دیا ''میں مسافر ہوں اور ڈاکوؤں نے مجھے لوٹ لیا۔'' باندی نے کہا، انہیں جگانے کی ضرورت نہیں، یہ تھیلی لو اس میں سات سو اشرفیاں ہیں، اور قیس کے گھر میں آج اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے، یہ لے لو اور اونٹوں کے گلے میں چل کر جونسا چاہو اونٹ پسند کرلو، اور ایک اونٹ لے لو''۔وہ شخص یہ سب لیکر چلا آیا؛ جب قیس بن سعد جاگا تو باندی نے اس شخص کے آنے کا اور اشرفیاں وغیرہ دینے کا واقعہ بیان کیا، وہ بہت خوش ہوا، اور بطور اظہار خوشنودی باندی کو آزاد کردیا۔باندی کو بہت افسوس ہوا کہ میں کیوں سب بات کہہ دی، اگر نہ کہتی تو آزاد نہ ہوتی، آزاد رہنے سے کہیں بہتر قیس جیسے صاحب جود وسخا کی کنیز رہنا ہے۔اب تیسرا شخص عرابہ کی طرف گیا۔اس نے دیکھا عرابہ ابھی گھر سے نکلا ہے اور مسجد کی طرف جارہا ہے، آواز دے کر کہا:-''اے عرابہ! میں مسافر ہوں، اور ڈاکوؤں نے مجھے لوٹ لیا ہے'' عرابہ کے چہرے سے یہ سن کر ندامت وپریشانی ظاہر ہوئی۔اس نے اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر مار کر کہا:-''افسوس خدا کی قسم! آج صبح سے شام تک میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے۔لوگوں نے میرے پاس کچھ نہیں چھوڑا ہے'' عرابہ کے دو غلام بھی اس کے ساتھ تھے، اس نے ہاتھ سے اشارہ کرکے کہا:-''بس یہ دو غلام ہیں، انہیں لے جاؤ''۔اس شخص نے کہا ''خدا کی قسم ایسا نہیں ہوسکتا، میں ایسا ظالم نہ بنوں گا کہ آپ سے آپ کا آخری غلام بھی لے لوں''۔عرابہ نے کہا ''اچھا یہی ہے کہ تم لے لو، ورنہ خدا کی راہ میں آزاد ہیں چاہے تم لیکر اپنے پاس رکھو، یا آزاد کردو'' اس شخص نے مجبوراً دونوں غلاموں کو لیا اور چلا آیا۔جب تینوں شخص ایک جگہ جمع ہوئے اور اپنا اپنا قصہ سنایا، تو بحث ومشورہ کے بعد عرابہ کے حق میں فیصلہ ہوا کہ وہی آج کا سب سے بڑا سخی ہے، کیونکہ اس نے ایسی حالت میں بخشش کی تھی جو اس کا آخری سرمایہ تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی بصیرت

مولانا زاہد الراشدی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی کے مختلف اور متنوع پہلو ہیں، جن میں سے ہر ایک پر مستقل کام کی ضرورت ہے اور ہمارے ہاں سیرت نبویؐ کے ان پہلوؤں پر سب سے کم کام ہو رہا ہے۔ ہم نے قرآن کریم کی طرح جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت و سیرت کو بھی صرف برکت و رحمت اور اجر وثواب کے حصول کا ذریعہ سمجھ رکھا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ برکات و فیوض، رحمتوں اور اجر وثواب کا بہترین ذریعہ ہے، لیکن اس کا اصل مقصد راہ نمائی حاصل کرنا ہے اور اپنے مسائل و مشکلات کا حل اس میں تلاش کرنا ہے، جس کی طرف ہماری توجہ بہت ہی کم ہے۔

سیاسیات کے حوالہ سے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا ایک حصہ وہ ہے جن میں اسلام کے سیاسی نظام کا تعارف کرایا گیا ہے، اسلامی ریاست کی بنیادوں کا تعین کیا گیا ہے اور ایک مسلم حکومت کے فرائض اور ذمہ داریاں بیان کی گئی ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سینکڑوں احادیث اس سلسلہ میں موجود ہیں۔ جبکہ دوسرا حصہ یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سیاستدان اور حاکم وقت کے طور پر سینکڑوں فیصلے کیے ہیں، جن میں سے ہر فیصلہ ہمارے لیے سرمۂ بصیرت اور راہ نمائی کا سرچشمہ ہے، بشرطیکہ ہم ان فیصلوں اور واقعات کو سیاسی حکمت وتدبر کے تناظر میں دیکھیں اور ان میں اپنے دور کی مشکلات ومسائل کا حل تلاش کرنے کا ذوق ہم میں بیدار ہو جائے۔

چند سطور میں سیرت طیبہؐ کے اول الذکر پہلو کے بارے میں چند معروضات پیش کرنا چاہوں گا جس میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے سیاسی اصولوں کا تذکرہ فرمایا ہے اور اسلامی ریاست وحکومت کے فرائض اور حقوق کی وضاحت کی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے سیاسی نظام کا تعارف بخاری شریف کی ایک روایت کے مطابق اس طرح کرایا ہے کہ بنی اسرائیل میں سیاست وحکومت کے فرائض حضرات انبیاء کرام علیہم السلام انجام دیتے تھے، ایک نبی چلا جاتا تو دوسرا اس کی جگہ آ جاتا یعنی سیاست و حکومت کی بنیاد وحی الٰہی پر ہوتی تھی، لیکن میرے بعد نبوت کا دروازہ بند ہو گیا ہے اور کوئی نیا نبی اب نہیں آئے گا۔ اس لیے میرے بعد سیاست وحکومت کا نظام خلفاء کے سپرد ہوگا۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کا یہ نظام قائم ہوا اور مسلمانوں کی ریاست وحکومت کی بنیاد بنا۔ اسلامی خلافت کا سادہ سا مفہوم یہ ہے کہ قرآن وسنت کی تعلیمات کی روشنی میں ملک کا نظام چلایا جائے اور امت مسلمہ کے اجتماعی امور سرانجام دیے جائیں، جیسا کہ خلفاء راشدینؓ اور ان کے بعد خلفاء کرام کرتے رہے ہیں۔

خلافت کے بارے میں ایک اہم سوال یہ ہوتا ہے کہ خلافت کیسے قائم ہوگی اور خلیفہ کا تقرر کون کرے گا؟ اس کے لیے میں خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حوالہ دیا کرتا ہوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ وقت کی اجتماعیت کی بنیاد پر اسلامی ریاست وحکومت کے سربراہ کے منصب پر فائز ہوئے تھے۔

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ میں ہمیں نمائندگی کا اصول بھی ملتا ہے کہ ایک موقع پر بنو ہوازن کے قیدی واپس کرنے کے لیے جب ہزاروں افراد سے براہ راست رائے لینا مشکل نظر آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفاء کو درمیان میں ڈالا کہ وہ اپنے اپنے قبیلہ کی رائے معلوم کر کے بتائیں، تاکہ اس کے مطابق فیصلہ کیا جا سکے۔ یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عوام کی اجتماعی رائے ان کے نمائندوں کے ذریعے معلوم کی۔ عرفاء اور نقباء کی یہ اصطلاح قدیم سے چلی آ رہی ہے اور قرآن کریم میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے۔ اس لیے عوام کی رائے معلوم کرنے کے لیے نمائندگی کا یہ طریقہ بھی اسلامی ریاست کی ایک اہم بنیاد بن جاتا ہے۔

لیکن میں اس وقت سب سے زیادہ توجہ اسلامی ریاست کے اس پہلو کی طرف دلانا چاہوں گا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فلاحی اور رفاہی ریاست کا نظام دیا جسے آج کی دنیا میں ویلفیئر سوسائٹی کے عنوان سے پیش کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث کے مطابق ارشاد فرمایا کہ معاشرہ میں جو لوگ بوجھ تلے دبے ہیں یا بے سہارا ہیں وہ میری ذمہ داری ہیں۔ یعنی ان کی کفالت بیت المال کرے گا۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اور پھر خلفاء راشدینؓ کے دور میں بیت المال کا یہ نظام کفالت اس قدر مستحکم ہو گیا تھا کہ ملک کے بے روزگاروں، معذوروں اور بے سہارا لوگوں کی کفالت بیت المال کے ذمہ سمجھی جاتی تھی اور یہ ضروریات بطریق احسن پوری کی جاتی تھیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اسلامی ریاست کی بنیاد جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مطابق تین اصولوں پر ہے: ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور قرآن وسنت کی اطاعت ریاست وحکومت کی سب سے بڑی اساس ہے۔ دوسرا یہ کہ حکومت کا قیام امت مسلمہ کی صوابدید پر عوامی مشاورت کے ذریعہ ہوگا۔ اور تیسرا یہ کہ اسلامی حکومت نظم مملکت کو چلانے کے ساتھ ساتھ معاشرہ کی اجتماعی کفالت اور تمام شہریوں کی ضروریات کو پورا کرنے کی بھی ذمہ دار ہے۔

اگر ہم ان اصولوں کو سامنے رکھ کر اسلامی ریاست بنانے کی طرف پیش رفت کریں تو معاشرہ کی اجتماعی کفالت کی تکمیل ہو سکتی ہے۔

کیا بند ہو جائے گا اقلیتوں کو اعلیٰ تعلیم کی جانب لانے والا راستہ؟

محمد حنیف خان

ملک کی تعمیر وترقی بغیر تعلیم کے ممکن نہیں ہے اور آج کے دور میں حصول تعلیم بھی آسان نہیں ہے۔ انسان کی زندگی صرف دو چیزوں تعلیم اور گھر بنانے میں ختم ہو جاتی ہے اور یہ دونوں زندگی کے لئے ضروری ہیں۔ ہندوستان میں اعلیٰ تعلیم کے لئے سرکاری اور پرائیوٹ اداروں کی ایک متعدبہ تعداد ہے، جن کی وجہ سے ملک میں اعلیٰ تعلیم کے گراف میں اضافہ ہوا ہے، لیکن جن لوگوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے، ان میں اکثریت ایسی ہے جو بڑی مشکلوں سے یہاں تک پہنچی ہے جس کی سب سے بڑی وجہ ہندوستان میں تعلیم کا مہنگا ہونا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ حکومت نے وظیفے دے کر اس مہنگائی کے احساس کو تھوڑا سا کم کرنے کی کوشش کی۔ ویسے ان وظائف نے پرائمری سطح سے لے کر اعلیٰ تعلیم سے متعلق بیداری اور اس کی سطح میں اضافہ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ دیہی علاقوں میں وہ بچے جنہوں نے کبھی اسکول کا دروازہ نہیں دیکھا تھا وہ اسی وظیفے کی وجہ سے اسکول تک پہنچ گئے، خود ان کے والدین ان بچوں کو تعلیم کے بجائے وظیفے کے لئے اسکول بھیجتے رہے ہیں، جس سے یہاں کے عوام کی غربت، ان کی ذہنیت اور ضرورت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان کی اقلیتوں میں مسلمان تعلیمی، سیاسی اور سماجی ہر سطح پر سب سے پسماندہ ہیں، یہ ملک کی سب سے بڑی اقلیت بھی ہیں، اس لیے اقلیتوں کے نام پر شروع ہونے والی اسکیموں کا سب سے زیادہ فائدہ بھی ان ہی کو ملتا ہے یا پھر نقصان بھی مسلمانوں کو ہی ہوتا ہے۔ اس لیے حکومت کی ایسی کسی بھی اسکیم کا سب سے زیادہ اثر مسلمانوں پر پڑتا ہے جو اقلیتوں کے لئے شروع کی گئی ہو۔ اس لیے حکومت کو کسی بھی اسکیم کے شروع کرنے یا بند کرنے سے قبل ملک کی سب سے بڑی اقلیت کو ذہن میں رکھنا ناگزیر ہے کیونکہ کسی بھی ملک کی ترقی کا پیمانہ وہاں کی اکثریت کی سطح زندگی نہیں ہوتی ہے بلکہ اس کا معیاری پیمانہ اقلیت ہیں۔ جس ملک میں اقلیتوں کی زندگی جس قدر خوشگوار ہوگی، اسی اعتبار سے ملک میں خوشحالی کا معیار مقرر کیا جائے گا۔ اسی طرح سے اگر کسی ملک کی سب سے بڑی اقلیت تعلیم یافتہ نہیں ہوگی تو اس ملک کو اول تعلیم یافتہ قرار نہیں دیا جا سکتا ہے اور دوم وہ پورا طبقہ ملک پر بوجھ بن جائے گا، جس کے لئے اقلیتیں ذمہ دار نہیں ہوں گی، بلکہ اقتدار اعلیٰ کو ذمہ دار قرار دیا جانا چاہئے کیونکہ یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ملک کی اقلیتوں کو تعلیم کے مواقع دے اور ان کے لئے راہیں ہموار کرے۔ جس میں انفرا اسٹرکچر کے ساتھ ساتھ اداروں کے قیام کے اصول وضوابط میں لچیلا پن سب سے زیادہ اہم ہے، اسی طرح اقلیتی طبقات کو تعلیم کی طرف راغب کرنے والی اسکیمیں اہم اور نمایاں کردار ادا کر سکتی ہیں۔

سابقہ حکومتوں نے وقتاً فوقتاً ایسی ایسی اسکیمیں اور منصوبے تیار کئے اور انہیں نافذ کیا جس سے اقلیتوں میں تعلیم کی شمع روشن ہوئی اور اعلیٰ تعلیم میں ان کی نمائندگی درج کی گئی۔ اس کے باوجود وہ تعلیمی اعتبار سے دلتوں سے بھی پسماندہ ہیں۔ 2016 میں آئی ایک رپورٹ کے مطابق 2010 کی دہائی کے خاتمے تک 5.2 فیصد سے 13.8 فیصد تک اضافہ کے بعد قومی سطح پر اعلیٰ تعلیم میں داخلوں میں اسکی حصہ داری محض 23.6 فیصد رہی جو شیڈول کاسٹ اور شیڈول ٹرائب (اقوام وقبائل) سے بھی کم ہے۔ اعداد وشمار کے مطابق ہندوستان میں مسلمان 14 فیصد ہیں، ان میں 4.4 فیصد سے کم ہی اعلیٰ تعلیم میں داخلہ لے پاتے ہیں۔ شمالی اور جنوبی ہند کی عام یونیورسٹیوں میں گریجویشن اور پوسٹ گریجویشن میں 9 سے 11 فیصد مسلم بچے داخلہ لے پاتے ہیں جبکہ انڈر گریجویٹ اور پروفیشنل کورسیز میں 01 سے 03 فیصد ہی پہنچتے ہیں۔ جبکہ جامعہ ملیہ اسلامیہ میں 40 فیصد اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں 70 فیصد مسلم بچے داخلہ پا جاتے ہیں۔

کتنے ایسے بچے ہیں جو اپنے خاندان کے پہلے ایسے تعلیم یافتہ ہوتے ہیں جو یونیورسٹیوں تک پہنچتے ہیں۔ خاص طور پر مسلم لڑکیوں کو اب موقع ملا ہے اور ان کے لئے کچھ راہیں آسان ہوئی ہیں کہ وہ گھروں سے نکل کر دہلی، علی گڑھ اور دیگر بڑے شہروں میں رہ کر تعلیم حاصل کریں۔ ایسے میں ضرورت اس بات کی تھی کہ حکومت اقلیتوں کی اعلیٰ تعلیم میں ہر ممکن مدد کرتی اور ان کو راغب کرتی کہ وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے ملک وقوم کی خدمت کریں اور اس کی تعمیر وترقی میں نمایاں کردار ادا کریں لیکن ایسا کرنے کے بجائے اس کی راہوں میں دشواریاں زیادہ کھڑی کر دی گئی ہیں، وہ راستے جو اقلیتوں کو اعلیٰ تعلیم کی جانب لاتے تھے شاید بند کیے جا رہے ہیں۔

ملک کے پہلے وزیر تعلیم اور یونیورسٹی گرانٹس کمیشن (یو جی سی) کے بانی مولانا ابوالکلام آزاد کے نام سے جاری ''مولانا آزاد نیشنل فیلوشپ'' اقلیتی طلبا وطالبات کے لئے وردان ہے، اس فیلوشپ کی وجہ سے کثیر تعداد میں اقلیتی طلبا وطالبات کو فائدہ ہوا ہے، دوران تعلیم جہاں ایک جانب اس فیلوشپ کی وجہ سے انہیں آسانیاں ہو جاتی ہیں، وہیں اس اسکیم کی وجہ سے بچوں میں جوش اور جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ سخت سے سخت محنت کریں تا کہ اگر جے آر ایف نہ بھی حاصل کر سکیں تو انہیں مولانا آزاد نیشنل فیلوشپ مل جائے جو جے آر ایف کے مساوی ہی مانی جاتی ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس کے حصول کے اصول وضوابط میں تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں، جن سے کبھی کسی بھی طالب علم کو شکایت نہیں ہوئی لیکن ادھر کئی مہینوں سے اولاً وہ اقلیتی طلبا جن کو یہ اسکالرشپ مل چکی ہے، ان کے کھاتوں میں رقم نہیں آئی اور دوم طلبا کے درمیان اب یہ چہ می گوئیاں شروع ہو گئی ہیں کہ حکومت مولانا آزاد نیشنل فیلوشپ جیسی اعلیٰ اور اولوالعزم اسکیم کو بند کر رہی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ طلبا بر بنائے گفتگو یا قیاس آرائی کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں فون کال کی وائس ریکارڈنگ (غیر مصدقہ) بھی سوشل میڈیا پر گشت کر رہی ہے جس میں ایک طالب علم یو جی سی کے کسی افسر سے بات کرتے ہوئے سنا جا سکتا ہے، جس میں وہ سوال کرتا ہے کہ ابھی تک اسکالرشپ نہیں آئی ہے جس پر افسر وضاحت کرتا ہے کہ جن لوگوں کو یہ اسکالرشپ پہلے سے مل رہی ہے جلد ہی ان کے کھاتوں میں رقم آئے گی اور چونکہ فائل منظوری کے لئے گئی ہے، اس لئے تاخیر ہو رہی ہے لیکن اب نئے طلبا کو اس اسکیم کا فائدہ نہیں ملے گا کیونکہ ان کے لئے یہ اسکیم بند کر دی گئی ہے۔ ظاہر سی بات ہے کہ اقلیتی طلبا کے لئے یہ کوئی چھوٹی خبر نہیں ہے بلکہ ان پر بجلی بن کر گرنے والی خبر ہے کیونکہ ہر اقلیتی طالب علم کا خواب ہوتا ہے کہ اس کو مولانا آزاد نیشنل فیلوشپ مل جائے۔ خوابوں کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لئے وہ سخت محنت بھی کرتے ہیں، ایسے میں حکومت اگر واقعی اس اسکالرشپ کو بند کر دے گی تو اعلیٰ تعلیم کی جانب اقلیتی طبقے کا آنے والا راستہ بھی بند ہو جائے گا۔

ملک کی ترقی کے جس مرحلے میں ہے، اس میں ملک کے ہر طبقے کی محنت اور دماغ کی اسے ضرورت ہے تا کہ وہ تیزی کے ساتھ ترقی کرے لیکن بھلا وہ ملک کیسے ترقی کر سکتا ہے جس کی سب سے بڑی اقلیت کے لئے اعلیٰ تعلیم کا راستہ کھولنے کے بجائے اس کی جانب لے جانے والے راستوں کو بھی بند کر دیا جائے؟ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد کے نام سے جاری یہ اسکالرشپ نہ صرف جاری رکھی جائے بلکہ دوسری ایسی اسکیمیں بھی شروع کی جائیں جس سے اقلیتی طبقہ اعلیٰ تعلیم کی جانب راغب ہو اور اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے ملک کی تعمیر وترقی میں اپنا کردار ادا کرے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو ملک کی یہی سب سے بڑی اقلیت اس پر بوجھ بن کر رہ جائے گی جس کا کوئی مداوا نہیں ہوگا اور پھر ہزار کوششوں کے بعد بھی ملک جہاں ہے، وہیں رہ جائے گا۔

دعوت ولیمہ کب اور کیسے ؟

مولانا محمد عبد الھادی عمری مدنی

اسلام میں شادی بیاہ کے مسائل کو بہت اہمیت دی گئی ہے،اس کے متعلق احکام و مسائل نہایت شرح وبسط سے بیان کئے گئے ہیں۔لڑکے لڑکی کا انتخاب منگنی، عقد نکاح، رخصتی وغیرہ، ان ہی میں دعوت ولیمہ کا مسئلہ بھی ہے،شادی کی مناسبت سے اسی ایک دعوت کی اہمیت ہے جو دولہا کی جانب سے اس خانہ آبادی کے پُر مسرت موقع پر دی جاتی ہے۔

ولیمہ یہ درصل عربی لفظ ’’ولم‘‘ سے ماخوذ ہے،جس کا مطلب ایسا اجتماع جس میں دوست واحباب اکھٹے ہو کر کھانا کھائیں، شادی کی مناسبت سے شوہر اور بیوی کا اجتماع ہوتا ہے۔اس لیے یہاں یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ کثرت استعمال کی وجہ سے عقد نکاح کی مناسبت سے دی جانے والی دعوت کو ولیمہ کہہ دیا جاتا ہے۔

دعوت ولیمہ کے علاوہ شادی کی مناسبت سے کسی اور دوسری دعوت کی اہمیت نہیں، عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور دور صحابہ جسے خیر القرون میں سے بہترین زمانہ کہا جاتا ہے، وہاں شادی کا جو طریقہ رائج تھا، وہ یہ کہ رشتہ طے ہو جانے کے بعد بھی کچھ لوگوں کی موجودگی میں عقد نکاح ہو جاتا، پھر دولہا اپنی حیثیت کے مطابق دعوت ولیمہ کا اہتمام کرتا جو نکاح کے اعلان اور اظہار مسرت کا بہترین ذریعہ ہے، اس کے علاوہ لڑکی کی طرف سے باقاعدہ دعوت یا بھاری بھرکم برات کا رواج نہیں تھا اور نہ ہی اس کی شرعی حیثیت ہے لیکن ہمارے سماج میں رسم ورواج کی کثرت اتنی زیادہ ہو چکی ہے کہ حقائق دب کر رہ گئے، ان میں ایک سنگین مسئلہ دعوتوں کے سلسلے میں ہونے والی بے اعتدالیوں کا ہے، جیسے کہ دولہا بڑی بارات کے ساتھ عقد نکاح کے لیے حاضر ہو اس کے لیے دعوت نامے تقسیم کر کے دوست احباب کو مدعو کیا جائے، دلہن والوں کو پر تکلف دعوت کے لیے مجبور کیا جائے، حتی کہ مالی طور پر کمزور والدین جو اپنی بیٹی کی شادی دوست احباب سے مالی تعاون اکٹھا کرتے ہیں وہ بھی اس ضیافت کا اہتمام کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، کیونکہ یہ لڑکے والوں کا مطالبہ ہے ورنہ شادی میں رکاوٹ پیش آئے گی، گویا لڑکی والوں کی جانب سے اکثر وبیشتر یہ دعوت جبر واکراہ معاشرتی دباؤ کا نتیجہ ہے۔ہاں اگر عقد نکاح کی محفل میں شرکت کرنے والوں کی تواضع کرتے ہوئے ضرورت کے مطابق خورد ونوش کے لیے پیش کیا جائے تو ممانعت نہیں، لیکن اس کو شادی کا لازمی حصہ بنالینا اس کی انجام دہی کے لیے پسماندہ خاندانوں کا قرض کے بوجھ یا بھیک کی چکی میں پسنا نہایت ہی غور طلب ہے، اس کی نوعیت بھی جہیز جیسی ہی ہے جو کچھ لوگ مطالبہ کر کے اور کچھ خاموشی سے وصول کرتے ہیں ہند وپاک کے کچھ علماء نے شادی کے دن لڑکی کی طرف سے کھلائے جانے والے کھانے کے خلاف تحریک چلا رکھی ہے، وہ اس دعوت کو درست نہیں سمجھتے ہیں کیونکہ عموماً یہ مجبوری یا زبردستی کی دعوت ہوتی ہے۔ان پسماندہ علاقوں یا گھرانوں کے حالات کا جائزہ لیں تو ان کی اس فہم اور تحریک میں بڑا وزن دکھائی دیتا ہے۔

دیکھئے عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی کی ایک جھلک سیدنا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا عقد نکاح ہے، جو مدینہ منورہ میں انجام پایا اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع نہیں ہوئی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہرہ پر شادی کی علامتیں دیکھیں تو دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے! انہوں نے وضاحت کی کہ میں نے شادی کر لی ہے اس جواب پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی غصہ یا ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا کہ مجھے کیوں نہیں کہا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دولہا اور دلہن کے حق میں خیر وبرکت کی دعا فرمائی۔مہر کے تعلق استفسار فرمایا اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف نے بتایا کھجور کی گٹھلی برابر سونا جو اس زمانہ میں ایک عام اصطلاح تھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دعوت ولیمہ کرنے کی ہدایت کی کہ ایک بکری ذبح کر کے کھلا دو۔اس ضمن میں حدیث شریف میں مذکور ہے: ’’سیدنا حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف پر زردی کا نشان دیکھا تو پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ’’میں نے ایک عورت سے ایک گٹھلی کے وزن کے برابر سونے کے مہر پر نکاح کر لیا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے، دعوت ولیمہ کرو خواہ ایک بکری ہی ہو۔‘‘ (صحیح بخاری: 5155؛ صحیح مسلم: 3490)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے موقع پر جب سیدہ صفیہ کو ام المؤمنین بنایا، تو صحابہ کرام کو اس وقت اطلاع ہوئی، جب انہیں دعوت ولیمہ میں مدعو کیا گیا۔ نہ ہی کوئی بات اور نہ ہی پیشگی ضیافت کا اہتمام ہوا۔ (صحیح بخاری: 371؛ صحیح مسلم: 3504) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لخت جگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے عقد نکاح کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ **إنه لابد للعرس من وليمة** ’شادی کی مناسبت سے دولہے کے لیے ولیمہ کا اہتمام ضروری ہے۔‘‘ (صحیح الجامع: 2419؛ صحیح، مسند احمد بن حنبل: 3595) علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو درست قرار دیا۔ (فتح الباری، کتاب النکاح)

لہٰذا مشہور صحابی سیدنا حضرت سعد بن ابی وقاص نے ایک بکرا فراہم کرنے کی ذمہ داری لی اور کچھ انصاری صحابہ نے آٹا وغیرہ کا اہتمام کیا۔ حالانکہ مدینہ منورہ میں یہ بڑی اہم شادی تھی اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ضیافت کا اہتمام نہیں فرمایا، بلکہ ہونے والے داماد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ولیمہ کا حکم دیا۔

دعوت ولیمہ کی شرعی حیثیت: جمہور علماء کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے اور بعض علماء نے اسے واجب کہا ہے۔اس دعوت کے حوالہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم، ذاتی فعل اور صحابہ کرام کی عملی مثالیں موجود ہیں۔ (المغنی مسئلہ نمبر: 1217؛ نیل الاوطار کتاب الولیمہ)

ولیمہ کا وقت: ولیمہ کے وقت میں مناسب گنجائش ہے، عقد نکاح سے لے کر رخصتی اور خلوت صحیحہ کے بعد کبھی بھی اس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں فرمایا کہ سلف صالحین کے درمیان ولیمہ کے وقت کے متعلق مختلف اقوال پائے جاتے ہیں، عقد نکاح کی مجلس میں یا اس کے بعد یا رخصتی کے موقع پر یا خلوت کے بعد یا عقد نکاح سے خلوت کے بعد تک حسب سہولت اس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ (فتح الباری، باب الولیمہ: 230)

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ قاضی عیاض نے مالکیہ کی رائے نقل کی ہے کہ مستحب خلوت کے بعد ہے لیکن عقد نکاح کے بعد بھی یہ دعوت ہو سکتی ہے۔ابن جندب نے عقد نکاح کے بعد اور خلوت کے بعد دونوں اوقات کو درست بتایا، امام شوکانی رحمہ اللہ نے کہا کہ: **إن وقتها موسع من حين العقد** ’’اس دعوت کے وقت میں گنجائش ہے، یہ عقد نکاح کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔‘‘ (نیل الاوطار، کتاب الولیمہ)

علامہ سید سابق رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ولیمہ کا وقت عقد نکاح کے موقع پر یا رخصتی کے دن یا خلوت کے بعد ہوتا ہے، اس مسئلہ میں مقامی عادات کے مطابق گنجائش ہے۔ (فقہ السنہ، باب الولیمہ) بعض مالکیہ اور شوافع کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اگر نکاح کے فوری بعد رخصتی عمل میں آ رہی ہو تو اس وقت ولیمہ زیادہ بہتر ہے، کیونکہ اعلان نکاح کا یہ مناسب وقت ہے، یعنی خلوت سے قبل۔ (فتح الباری: 2319) امام صنعانی رحمہ اللہ نے بھی بعض اہل علم سے ایسا ہی قول نقل کیا ہے۔ (سبل السلام شرح بلوغ المرام: 1541) علامہ الدمیری نے لکھا ہے کہ فقہاء نے اس کے وقت کے مسئلہ پر زیادہ توجہ نہیں دی اور نہ ہی اس کو باقاعدہ موضوع بنایا، اس میں بڑی گنجائش ہے۔ (انجم الوہاج: 3937) علامہ شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ ممبر آف سینئر علما کونسل سعودی عرب نے لکھا ہے کہ ولیمہ کے وقت میں بڑی گنجائش ہے، یہ عقد نکاح سے شروع ہو کر شادی کی تقریبات ختم ہونے تک رہتا ہے۔‘‘ (الملخص الفقہی: 3642)

مفتی تقی عثمانی حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ ولیمہ کا ترجیحی وقت اگرچہ کہ خلوت کے بعد کا ہے کیونکہ اس طرح سنت ولیمہ اور سنت وقت دونوں ادا ہو جائیں گے لیکن فقہاء مختلف اقوال کی بنیاد پر سنت ولیمہ نکاح کے بعد یا رخصتی سے قبل یا بعد کسی بھی وقت کر لینے سے ادا ہو جاتی ہے۔ (فتاویٰ عثمانی: 2 حاشیہ 303)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلوت کے بعد ولیمہ فرمایا۔اس لیے اس کی بلاشبہ اہمیت ہے، جیسے ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: **أَصْبَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَا عَرُوسًا فَدَعَا الْقَوْمَ فَأَصَابُوا مِنَ الطَّعَامِ** ’’نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھ رخصتی کے بعد لوگوں کو کھانے پر مدعو کیا۔‘‘ (صحیح بخاری: 5166؛ صحیح مسلم: 3506)

لیکن اس واقعہ سے یہ استدلال کہ ولیمہ کا وقت شروع ہی خلوت کے بعد ہوتا ہے، یہ محل نظر ہے اسی لیے معتبر علماء اور فقہاء نے اس کے وقت میں وسعت اور گنجائش بتائی ہے۔ نیز یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اس دور میں شادی کی اطلاع ہی دعوت ولیمہ کے ذریعہ ہوتی تھی، پیشگی یا دوسری دعوت یا دولہا کے ساتھ برات وغیرہ کا رواج ہی نہیں تھا۔لہٰذا جو لوگ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے واقعہ سے وقت ولیمہ کے لیے استدلال کرتے ہیں، وہ واقعہ کا ایک جز تو لے رہے ہیں اور دوسرے اجزاء نظر انداز کر دیتے ہیں جو کہ زیادہ مناسب نہیں اور آج کل بعض علاقوں میں اس مسئلہ کی اہمیت عقد نکاح کے فوری بعد ولیمہ کر دیا جائے بڑھ گیا ہے۔تا کہ غلط رسم ورواج کو ختم کیا جا سکے، کیونکہ اصول فقہ کا ایک مسلمہ قاعدہ ہے کہ ضرر رساں امور اور ذرائع کو روکنا منافع تلاش کرنے سے بہتر ہے۔

دعوت ولیمہ کتنے دن تک کی جاسکتی ھے: دعوت ولیمہ عموماً ایک ہی دن کی جاتی ہے اور ضرورت ہو تو دوسرے، تیسرے دن بھی کی جا سکتی۔خصوصاً اگر مدعوین الگ الگ ہوں، امام بخاری نے سات روز تک کھلانے کی گنجائش کا ذکر کیا ہے، حفصہ بنت سیرین رحمہا اللہ بیان فرماتی ہیں کہ میرے والد نے جب شادی کی تو صحابہ کرام کی سات روز تک دعوت کرتے رہے، جس دن انصاری کی باری تھی اس دن مشہور صحابی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ مدعوین میں شامل تھے اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ روزہ سے تھے، وہ اگرچہ کہ تشریف لے آئے جب لوگ کھانا تناول کر چکے تو انہوں نے دعا کی اور شکریہ ادا کیا، اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ہر دن الگ الگ صحابہ مدعو تھے۔ (فتح الباری، کتاب النکاح) کچھ علماء نے بعض روایات کی بنیاد پر دعوت ولیمہ کو تین دن تک محدود کیا ہے لیکن ان روایات کی استنادی صحت کو امام بخاری نے تسلیم نہیں کیا۔

دعوت میں اخلاقی مروت اور ہمدردی: دعوت ولیمہ دینے اور قبول کرنے کی جہاں تاکید کی گئی ہے، وہیں کچھ آداب بتائے گئے ہیں کہ اس میں معاشرہ کے پسماندہ اور غریب لوگوں کی دلجوئی کا خاص حکم دیا گیا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: **شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيمَةِ يُدْعَى لَهَا الْأَغْنِيَاءُ وَيُتْرَكُ الْفُقَرَاءُ وَمَنْ تَرَكَ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللَّهَ وَرَسُولَه** ’’ولیمہ کا وہ کھانا بدترین کھانا ہے جس میں مالداروں کو مدعو کیا جائے اور محتاجوں کو نظر انداز کر دیا جائے، جس نے ولیمہ کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا اس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔‘‘ (صحیح بخاری: 5177 / صحیح ابن حبان: 5305)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ولیمہ کا ایسا کھانا کیا ہی برا ہے جس میں آنے والوں کو روکا جاتا ہے اور آنے والوں کو مدعو کیا جاتا ہے۔یعنی خوشحال لوگوں کو زور دے کر بلایا جاتا ہے اور محتاجوں کو نظر انداز کیا جاتا ہے، ایک اور حدیث میں ہے: ’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’بدترین کھانا ایسے ولیمے کا کھانا ہے کہ جو اس میں آنا چاہتا ہے اسے روک دیا جاتا ہے اور جو اس میں نہیں آنا چاہتا ہے اسے زبردستی بلایا جاتا ہے۔‘‘ (صحیح مسلم: 3525)

لہٰذا اس مبارک موقع پر محتاجوں کے ساتھ بے مروتی سخت ناپسندیدہ ہے۔ایسے ہی فضول خرچی اور اسراف کی ہر جگہ ممانعت ہے، یا اپنی حیثیت سے زیادہ قرض لے کر پُر تکلف دعوت کا اہتمام بھی غیر دانشمندی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس شادی کو خیر وبرکت کا ذریعہ بنائے اور ہر قسم کے شر سے محفوظ رکھے۔آمین **رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا**

اخبارِ جہاں

محمد عادل فریدی

تھائی لینڈ میں آتشزدگی سے 25 افراد ہلاک

تھائی لینڈ کی سرحد کے نزدیک کمبوڈیا کے ایک ہوٹل میں بدھ کی شب لگنے والی زبردست آگ میں 25 افراد جاں بحق ہوگئے ہیں۔ بنتے مینچ صوبائی محکمہ اطلاعات کے ڈائریکٹر سیک سوخوم نے میڈیا کو بتایا کہ امدادی کارکنوں نے جمعہ کی صبح ہوٹل کے کیسینو کے جلے ہوئے کمروں سے مزید چھ لاشیں برآمد کیں، جس سے مرنے والوں کی تعداد 25 ہوگئی ہے۔ کمبوڈیا کے وزیراعظم سمڈیچ ٹیکوہن سین نے آتشزدگی میں ہلاک ہونے والوں کے لیے تعزیت کا اظہار کیا۔ انہوں نے بتایا کہ آگ میں 73 دیگر افراد زخمی ہوئے ہیں۔ فائر فائٹرز نے کئی گھنٹے کی محنت کے بعد آگ پر قابو پالیا، خوفناک آگ میں ہلاک ہونے والوں کی تلاش مزید جاری ہے۔ انہوں نے کہا کہ آگ لگنے کی وجہ کی تحقیقات کی جارہی ہیں۔ خیال رہے کہ تھائی لینڈ کی سرحد کے نزدیک واقع شہر پوپیٹ میں واقع گرینڈ ڈائمنڈ سٹی ہوٹل میں بدھ کی آدھی رات کو زبردست آگ لگ گئی تھی۔ (ایجنسی)

کھلونا نہ خریدنے پر بچے نے ماں کو قتل کردیا

بچوں کو ان کے پسند کے کھلونے خرید کر نہ دینے سے ان کی ناراضی تو معمول کی بات ہے، مگر امریکہ میں ایک بچے نے کھلونا خرید کر نہ دینے پر اپنی ماں کو جان ہی سے مار ڈالا۔ میڈیا میں آنے والی اس حیران کن خبر کی تفصیل میں کہا گیا ہے کہ ماں کی طرف سے بچے کو ہیڈسیٹ (ورچوئل رئیلٹی) خرید کر نہ دینے پر بیٹے نے ماں کو گولی مار کر ہلاک کردیا۔ کم عمر لڑکے کو حراست میں لے لیا گیا ہے اور اس کے خلاف قانونی کارروائی جاری ہے۔ بچے کو 21 نومبر کو اپنی ماں 44 سالہ کیانا مان کے قتل کے الزام میں گرفتار کیا گیا۔ لڑکے کی خالہ رونڈا ریڈ نے امریکی ٹیلی ویژن کو بتایا کہ جب اس نے حراست میں اس سے بات کی تو اس نے شوٹنگ کو یاد نہ رکھنے کا بہانہ کیا اور جلدی سے گفتگو کو اپنے پسندیدہ موضوع پر منتقل کردیا، لڑکا ایک سال سے زیادہ عرصے سے موڈ اور رویے کی خرابیوں کے وجہ سے زیر علاج تھا، وہ ہر وقت لڑتا رہتا اور شور کرتا۔ جب اس کی والدہ نے اسے 500 ڈالر کا Oculus VR ہیڈسیٹ خریدنے سے انکار کردیا تو اس نے اس کے چہرے پر گولی ماردی، اس کے بعد ماں کا کریڈٹ کارڈ چھین لیا اور اس سے اس نے آن لائن کھلونے خریدے۔ پھر لڑکے نے اپنی دادی سے کہا کہ اسے اپنی ماں کے قتل پر افسوس ہے۔ (ایجنسی)

آنگ سان سوچی کو مزید سات سال سزائے قید

میانمار کی نوبل انعام یافتہ سیاسی رہنما آنگ سان سوچی کو ہیلی کاپٹر کے غلط استعمال اور لیز کے معاملے میں سات سال قید کی سزا سنائی گئی ہے، وہ کرپشن کے پانچ مختلف الزامات کے تحت جیل میں ہیں، انہیں تازہ سزا ان کے خلاف اب تک آخری مقدمے میں سنائی گئی ہے۔ فروری 2021 کی بغاوت کے بعد سے سوچی جیل میں ہیں۔ اس سے قبل دسمبر 2021 میں بھی انہیں عدالت سے سزائے قید ہوچکی ہے، انہیں میانمار کی مقبول رہنما کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ مغربی ممالک نے اپنی سیاسی زندگی کا طویل عرصہ جیل میں گذرنے والی اس رہنما کو دی گئی سزا پر اظہار افسوس کیا ہے۔ وہ 2015 میں میانمار میں فوجی حکمرانی کے 49 سال پورے ہونے کے بعد برسراقتدار آئی تھیں۔ ماضی میں ان کے خلاف 13 مختلف مقدمات عائد کیے گئے اور کئی میں سزا بھی ہوئی تاہم سوچی تمام مقدمات کو جھوٹ کا پلندہ قرار دیتی ہیں۔ سیاسی رہنما سوچی کے خلاف مقدمات میں کووڈ 19 کی پابندیوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مہم چلانے کے مقدمے سمیت غیرقانونی طور پر ریڈیو سے متعلق آلات رکھ کر اشتعال پھیلانے، ملکی رازوں کو سامنے لانے اور ملکی انتخابات میں اپنے اثر رسوخ کے ذریعے انتخابی جیت ممکن بنانے کے الزامات ہیں۔ (ایجنسی)

ترکیہ میں دھماکا، 7 افراد ہلاک

ترکیہ میں ایک ریسٹورنٹ کے اندر خوفناک دھماکے کے نتیجے میں سات افراد ہلاک ہوگئے ہیں۔ مقامی میڈیا کی رپورٹ کے مطابق دھماکا ترکیہ کے مغربی صوبے ایدین کے ضلع نازیلی میں واقع ریسٹورنٹ میں ہوا، دھماکہ اس وقت ہوا جب ریسٹورنٹ ملازمین گیس سلینڈر تبدیل کررہے تھے۔ دھماکے کے نتیجے میں 5 افراد زخمی بھی ہوئے ہیں جن میں سے ایک کی حالت تشویشناک بتائی جارہی ہے۔ (ایجنسی)

سعودی بارڈر فورسز نے 29 لاکھ سے زائد نشہ آور ادویات برآمد کیں

سعودی سرحدی فورسز نے منشیات کی اسمگلنگ کے خلاف کارروائی کرتے ہوئے 29 لاکھ سے زائد نشہ آور گولیاں ضبط کرلیں۔ عرب میڈیا کے مطابق منشیات اسمگلنگ کی روک تھام کیلئے سعودی فورسز کی جانب سے ماضی میں متعدد کارروائیاں کی گئی ہیں، جس میں بھاری مقدار میں منشیات برآمد کرکے ملزمان کو حراست میں لیا گیا ہے، حالیہ کارروائی الحدیثہ اور رُبالخالی بارڈر کراسنگ پر کی گئی جہاں اسمگلر سے 29 لاکھ 20 ہزار کیپٹاگون گولیاں برآمد کی گئیں جو اس نے بجلی کی تاروں میں چھپائی ہوئی تھیں۔ الحدیثہ بارڈر کراسنگ پر کی گئی دوسری کارروائی میں اسمگلر کے قبضے سے 24 ہزار 400 نشہ آور گولیاں برآمد کی گئی جو ملزم نے ٹرک کی ڈرائیو شافٹ میں چھپائی ہوئی تھیں۔ سعودی کسٹمز نے گزشتہ برس 11 کروڑ 90 لاکھ نشہ آور گولیاں ضبط کی تھیں۔ (نیوز ایکسپریس)

افغانستان میں خواتین پر پابندی کے الزام میں اقوام متحدہ نے امداد روک دی

اقوام متحدہ نے افغانستان میں طالبان کی جانب سے خواتین امدادی کارکنوں پر پابندی کا الزام لگاتے ہوئے متعدد امدادی سرگرمیاں عارضی طور پر بند کردی ہیں۔ اقوام متحدہ کے ایمرجنسی ریلیف کوآرڈینیٹر مارٹن گریفتھس کے ساتھ اقوام متحدہ کی اہم ایجنسیوں اور بین الاقوامی امدادی گروپوں کے سربراہوں نے طالبان سے مطالبہ کیا کہ وہ انسانی ہمدردی کے شعبے میں کام کرنے والی خواتین پر پابندی کو واپس لے اور خواتین پر اسکول، کالج، یونیورسٹی اور عوامی مقامات پر میں جانے پر پابندی لگانے والی تمام ہدایات کو کالعدم قرار دے۔ (ایجنسی)

تعلیم و روزگار

رحمانی تھرٹی میں داخلہ کے لیے امتحان 22 جنوری کو

اعلیٰ مقابلہ جاتی امتحانوں کی تیاری کے لیے ملک کے مشہور و معروف ادارہ رحمانی تھرٹی میں دسویں کلاس کے امتحان 2023 کے بعد آئی آئی ٹی جے ای ای، نیٹ (NEET)، سی اے اور سی ایس کے مقابلہ جاتی امتحانات کی تیاری کے لیے داخلہ ٹیسٹ ملک کے مختلف مقامات پر آف لائن یا حسب ضرورت آن لائن ہوگا، 2023-25 سیشن کے لیے رحمانی 30 کا فارم آن لائن شائع ہو چکا ہے۔ خواہش مند طلبہ و طالبات ویب سائٹ پر جاکر جلد از جلد فارم بھر لیں۔ داخلہ امتحان 22 جنوری 2023 بروز اتوار بوقت 8:45 بجے صبح سے 12:30 بجے دن تک ہوگا۔ طلبہ و طالبات 13 / جنوری 2023 سے پہلے پہلے آن لائن فارم جلد از جلد بھر لیں۔ اور اپنے موبائل اور ای میل پر رحمانی 30 کی جانب سے بھیجی گئی تفصیلات کو پڑھتے رہیں۔

مزید تفصیلات ویب سائٹ www.rahmanimission.org کے ذریعہ حاصل کی جاسکتی ہیں۔

دوسری سہ ماہی میں حکومت کا کل قرض بڑھ کر 147 لاکھ کروڑ روپے

ستمبر کے آخر تک حکومت کل قرضہ بڑھ کر 147.19 لاکھ کروڑ روپے ہوگیا ہے۔ اس سے پہلے جون سہ ماہی میں یہ 145.72 کروڑ روپے تھا۔ سرکاری قرضوں کے تازہ ترین اعداد و شمار کے مطابق موجودہ مالی سال 2022-23 کی دوسری سہ ماہی میں اس میں فیصد کے لحاظ سے سہ ماہی بنیادوں پر ایک فیصد اضافہ ہوا ہے۔ وزارت خزانہ کی طرف سے جاری کردہ عوامی قرضوں کے انتظام سے متعلق سہ ماہی رپورٹ کے مطابق، اس سال ستمبر کے آخر میں عوامی قرضہ مجموعی واجبات کا 89.1 فیصد رہا، جو کہ 30 جون کو ختم ہونے والی سہ ماہی میں 88.3 فیصد تھا اس میں کہا گیا ہے کہ تقریباً 29.6 فیصد سرکاری سیکیورٹیز (مقررہ یا متغیر سود کی سیکیورٹیز) پانچ سال سے بھی کم عرصے میں پختہ ہونے والی ہیں۔ رپورٹ کے مطابق دوسری سہ ماہی کے دوران مرکزی حکومت نے سیکیورٹیز کے ذریعے 4,06,000 کروڑ روپے اکٹھے کیے ہیں۔ جبکہ قرض لینے کے پروگرام کے تحت مطلع کردہ رقم 4,22,000 کروڑ روپے تھی۔ جبکہ 92,371.15 کروڑ روپے واپس کیے گئے۔ (یو این آئی)

تہاڑ جیل کے قیدی بنیں گے آفس اسسٹنٹ اور مارکیٹنگ مینیجر

اس بار تہاڑ جیل ایک نیا ریکارڈ بنانے کے راستے پر ہے، جس میں اس کا مقصد ایک ہزار قیدیوں کو بیک وقت ملازمت فراہم کرنا ہے۔ تہاڑ، روہنی اور منڈاولی جیلوں کے جیلروں سے کہا گیا ہے کہ وہ اپنی متعلقہ جیلوں میں قیدیوں سے بات کرکے ان کی ملازمت کرنے کی خواہش کا پتہ لگائیں، تاکہ ان قیدیوں کو مختلف کورسز سے گزرنے کے بعد نوکری دی جاسکے۔ تہاڑ جیل میں آخری ساتویں پلیسمنٹ 6 مئی 2014 کو ہوئی تھی، جس میں 66 قیدیوں کو رکھا گیا تھا۔ اس سے قبل 27 جنوری 2012 کو 142 قیدیوں کو نوکریاں ملی تھیں۔ اس بار نئے ڈی جی سنجے بینیوال نے کم از کم ایک ہزار قیدیوں کو ملازمتیں فراہم کرنے کا ہدف رکھا ہے۔ اس کے لیے الگ ٹیم تشکیل دی جارہی ہے۔ یہ ٹیم کام کرنے والے قیدیوں (مرد اور خواتین) کو تربیت دینے سے لے کر انہیں ملازمتیں فراہم کرنے تک کام کرے گی، اس میں نہ صرف سزا یافتہ قیدیوں کو بلکہ زیر سماعت قیدیوں کو بھی شامل کیا جارہا ہے۔ جیل ذرائع نے بتایا کہ اس کے لیے اسکل ڈیولپمنٹ اور انٹرپرینیورشپ کی وزارت کی مدد لی جارہی ہے، جس میں پردھان منتری کوشل وکاس یوجنا کے تحت قیدیوں کو ڈرائیونگ، بیوٹیشن، ٹیلرنگ، آفس اسسٹنٹ، ہوٹل اور ریسٹورنٹ کے لیے کام دیا جائے گا۔ اور قیدیوں کی تعلیم کے لیے مارکیٹنگ، اس کے مطابق ان کے مختلف کورسز کے لیے تربیت دی جائے گی۔ اطلاعات کے مطابق جن قیدیوں کی سزا آٹھ دس سال سے زیادہ ہوچکی ہے اور اس دوران انہوں نے جیل کا کوئی ضابطہ نہیں توڑا، انہیں خصوصی پیرول اور فرلو دے کر کام پر بھیجا جائے گا۔ زیر سماعت قیدیوں کی صورت میں، جنہیں ضمانت مل سکتی ہے، ایسے قیدیوں کو کورس کرنے کے بعد ملازمتیں دی جائیں گی۔ تہاڑ جیل ہیڈکوارٹر کے ایک اہلکار نے بتایا کہ ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ جب کوئی بھی قیدی جیل سے باہر آئے تو وہ پیسے کی کمی کی وجہ سے جرائم کی دنیا کا رخ نہ کرے۔ جیل سے نکلنے سے پہلے بھی فخر سے کام کرکے اپنے گھر جانا چاہیے۔ (ایجنسی)

ریلائنس فاؤنڈیشن دے گا اگلے 10 سالوں میں 50000 اسکالرشپس

ریلائنس فاؤنڈیشن نے اعلان کیا ہے کہ وہ ملک میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کو اگلے 10 سالوں کے دوران 50000 اسکالرشپس دے گا۔ یہ اعلان ریلائنس انڈسٹریز لمیٹڈ کے بانی- چیئرمین دھیرو بھائی امبانی کے 90 ویں یوم پیدائش کے موقع پر کیا گیا۔ فاؤنڈیشن نے کہا کہ تعلیمی سال 2022-23 کے لیے 2 لاکھ روپے تک کے 5000 میرٹ- کم -مینز انڈر گریجویٹ اسکالرشپس اور 6 لاکھ روپے تک کے 100 میرٹ پر مبنی پوسٹ گریجویٹ اسکالرشپس دیے جائیں گے۔ یہ دونوں ہی تعلیم کی پوری مدت کے لئے دیے جائیں گے۔ درخواستیں 14 فروری 2023 تک جمع کی جاسکتی ہیں۔ اس موقع پر ریلائنس فاونڈیشن کی بانی چیئرپرسن نیتا امبانی نے کہا کہ میرے سسر دھیرو بھائی امبانی ہمارے نوجوانوں کی طاقت اور صلاحیت میں بڑا یقین رکھتے تھے۔ ان کی 90 ویں سالگرہ کے موقع پر ہمیں اگلے 10 سالوں میں ریلائنس فاؤنڈیشن انڈر گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ اسکالرشپس کے ذریعے 50,000 اسکالرشپس کی حمایت کرنے کے اپنے عزم کا اعلان کرتے ہوئے خوشی ہورہی ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ مکیش اور میں یقین رکھتے ہیں کہ صحیح مدد کے ساتھ یہ نسل علم، اختراع اور قیادت کے ذریعہ ہندوستان کی ترقی کی کہانی کے سب سے شاندار اگلے چیپٹر کی اسکرپٹ لکھے گی۔ ان اسکالرشپس کا مقصد طلبہ کو کامیاب پیشہ ور بنانا اور ان کے خوابوں کو پورا کرنے کے قابل بنانا ہے۔ نیز خود کو اور اپنی برادری کو اوپر اٹھانے کی طلبہ کی صلاحیت کو انلاک کرنا اور ہندوستان کی مستقبل کی سماجی واقتصادی ترقی میں اپنا رول نبھانا ہے۔ (نیوز۔۱۸)

افغانستان میں بھارت کے درجنوں منصوبوں پر خطرات کے بادل

بھارت نے گزشتہ کئی برسوں کے دوران افغانستان میں انسانی اور ترقیاتی منصوبوں پر اربوں ڈالر کی سرمایہ کاری کی ہے۔ تاہم ان منصوبوں کو اب کئی طرح کے چیلنجز کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ بھارتی وزارت خارجہ نے ایک پارلیمانی پینل کو بتایا ہے کہ افغانستان کی موجودہ سیاسی اور سکیورٹی صورت حال کے سبب، وہاں بھارت کی مدد سے شروع کیے جانے والے متعدد منصوبوں کو زبردست دھچکا پہنچا ہے اور انہیں کئی طرح کے چیلنجز کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ حکمراں بی جے پی کے رکن پارلیمان پی پی چودھری کی صدارت والی امور خارجہ سے متعلق پارلیمانی پینل کا کہنا ہے کہ افغانستان کے لیے مالی امداد میں کمی ہوئی ہے۔ بھارتی وزارت خارجہ نے اس حوالے سے ایک بیان میں کہا کہ اس نے پارلیمانی پینل کے تبصروں کو نوٹ کیا ہے اور ان کو حل کرنے کے لیے کام کرے گی۔

وزارت خارجہ نے اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ اس حوالے سے متعدد تجاویز پر عمل درآمد شروع کر دیا گیا ہے۔ افغانستان میں سیاسی اور سکیورٹی صورت حال کی وجہ سے ان منصوبوں کے نفاذ کو دھچکا پہنچا ہے۔

افغانستان میں بھارت کے اہم پروجیکٹس:

بھارت افغانستان کے مختلف صوبوں میں متعدد شعبوں میں 500 سے زائد منصوبوں پر عمل درآمد میں مدد کر رہا ہے۔ ان میں کئی پروجیکٹ انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔ بھارت افغانستان میں جن منصوبوں کی تعمیر میں مدد کر رہا ہے ان میں ملک کے سب سے بڑے ڈیم میں سے ایک سلمیٰ ڈیم شامل ہے۔ یہ اس خطے میں بھارت کا سب سے مہنگا پروجیکٹ ہے۔ اس پر بھارت 275 ملین ڈالر خرچ کر رہا ہے۔ اس ڈیم کی تعمیر ہونے کے بعد ہرات صوبے میں لاکھوں کنبوں کو پانی اور بجلی فراہم ہوگی۔ وزیر اعظم نریندر مودی نے اس وقت کے صدر اشرف غنی کے ساتھ 2016 میں اس ڈیم کا افتتاح کیا تھا۔ اس کی تعمیر کے لیے 10 برس کی مدت طے کی گئی تھی لیکن اب یہ مشکل دکھائی دے رہا ہے۔ بھارت نے ایران کی سرحد کے نزدیک 218 کلومیٹر طویل زرانج ڈیلارام شاہراہ بھی تعمیر کی ہے جس پر 600 کروڑ روپے کی لاگت آئی تھی۔ اسے بھارتی فوج سے وابستہ بارڈر روڈ آرگنائزیشن نے تعمیر کیا تھا۔ بھارت کے سینٹرل پبلک ورکس ڈپارٹمنٹ (سی پی ڈبلیو ڈی) نے افغانستان پارلیمان کی عمارت کی تعمیر پر 90 ملین ڈالر خرچ کیے تھے۔ اسے جنگ زدہ ملک کے لیے بھارت کی جانب سے تحفہ قرار دیا گیا تھا۔ وزیر اعظم مودی نے 2015 میں اس عمارت کا افتتاح کیا تھا۔

کابل میں بچوں کے لیے اندرا گاندھی انسٹی ٹیوٹ فار چائلڈ ہیلتھ بھی بھارت کے تعاون سے کام کر رہا ہے۔ چاہ بہار بندرگاہ کی تعمیر بھی بھارت کے اہم منصوبوں میں سے ایک ہے۔

ماہرین کیا کہتے ہیں؟

اسٹریٹیجک اور خارجہ امور کے ماہر ڈان میک لین گل نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ افغانستان میں بھارت کا بہت کچھ داؤ پر لگا ہوا ہے۔ بھارت وہاں کنکٹیویٹی منصوبوں سے لے کر انرجی سکیورٹی اور دہشت گردانہ سرگرمیوں کے انسداد جیسے منصوبوں پر کام کر رہا ہے۔ میک لین کے مطابق بھارت نے افغانستان کے عوام کی فلاح و بہبود کے لیے کافی زیادہ سرمایہ کاری کی ہے ایسے میں اسے اقتدار پر فائز طالبان کے ساتھ طویل مدتی تعاون کرنے پر غور کرنا چاہیے، خواہ وہ طالبان حکومت کو براہ راست تسلیم کرے یا نہ کرے۔ انہوں نے مزید لکھا ہے کہ نئی دہلی اپنی اسٹریٹیجک ضرورتوں کے مدنظر افغانستان یا طالبان سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتا۔ (جاوید اختر؛ بحوالہ ڈوئچے ویلے)

تحفظ ماحول کے لیے جانیں قربان کرنے والے سینکڑوں محافظین

جب انڈونیشیا کی حکومت نے نیا دارالحکومت بنانے کا فیصلہ کیا تو ماحولیاتی محافظوں نے خطرے کی گھنٹی بجا دی۔ جکارتہ دنیا کا پہلا بڑا شہر ہے، جو موسمیاتی بحران کی وجہ سے اپنے دارالحکومت کی حیثیت سے محروم ہو جائے گا۔ لیکن ناقدین کا کہنا ہے کہ بورنیو کے سرسبز جزیرے پر اقتدار کا تخت رکھنے کا فیصلہ اس جزیرہ نما علاقے کو مزید ماحولیاتی نقصان کا شکار اور مقامی برادریوں کو ان کی آبائی زمینوں سے بے گھر کر سکتا ہے۔

xx انڈونیشیا میں ایک نئے دارالحکومت کے منصوبے تازہ ہیں لیکن زمینی حقوق کی لڑائی مقامی بورین باشندوں کے لیے ایک پرانی کہانی ہے۔ 2020ء میں تین مقامی کسانوں کو زمین سے کٹائی کرنے کے الزام میں جیل بھیج دیا گیا۔ ان کا کہنا تھا کہ ایک پام آئل فرم نے یہ زمین ان سے چوری کی تھی۔ کسانوں میں سے ایک ہرمانس بن بائسن گرفتاری کے فوراً بعد پولیس حراست میں انتقال کر گیا۔

بائسن عالمی سطح پر اُن بہت سے ماحولیاتی محافظوں میں سے ایک ہیں، جنہوں نے اپنے علاقوں کو صنعتوں کی وجہ سے ہونے والی بے دخلیوں سے بچانے یا ماحولیات کے تحفظ کے لیے کام کرنے کی قیمت اپنی زندگی دے کر چکائی۔ کاروباری گروپ، جرائم پیشہ گروہ اور حکومتیں طویل عرصے سے مقامی برادریوں کو ان کی آبائی زمینوں سے بے گھر کرتی آئی ہیں۔ ان تنازعات میں دیگر سرگرم کارکنوں کے مقابلے میں مقامی لوگوں کے مارے جانے کا امکان زیادہ ہے۔ ماحولیاتی اور انسانی حقوق کے نگران ادارے گلوبل وٹنس کے شائع کردہ اعداد و شمار کے مطابق گزشتہ دہائی کے دوران کم از کم 613 مقامی کارکنوں کو قتل کیا جا چکا ہے۔

انسانی حقوق کے گروپوں اور تنظیموں نے 2012ء اور 2021ء کے درمیان تقریباً 60 ممالک میں 1,700 سے زیادہ ماحولیاتی اور زمین کے تحفظ کے لیے سرگرم کارکنوں کی اموات ریکارڈ کی ہیں۔ ان ہلاک شدگان میں سے 35 فیصد سے زیادہ کی شناخت مقامی افراد کے طور پر ہوئی ہے۔ یہ تمام افراد قدرتی ماحول کا تحفظ کرتے اپنی زندگیوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ لیکن حقیقی ہلاکتوں کی تعداد اس سے بھی زیادہ ہے۔ گلوبل وٹنس کے ذریعے دستاویز کیے گئے کچھ پانچ فیصد کیسوں میں نسل جیسی تفصیلات کی وضاحت نہیں کی گئی۔

آزاد پریس، آزاد نگرانی اور ایک مضبوط سول سوسائٹی کی کمی بھی رپورٹنگ میں گراوٹ کا باعث بن سکتی ہے۔ کچھ ممالک میں اس طرح کے حملوں کو ریکارڈ کرنے کی ایک طویل روایت ہے اور ان علاقوں ایسے واقعات کی بہتر نگرانی کے لیے مظبوط نیٹ ورک قائم کیے گئے ہیں۔ پچھلے تین سالوں کے دوران مقامی کارکنوں کی ہلاکت کی شرح گزشتہ سالوں کے مقابلے میں بھی زیادہ تھی۔ میکسیکو، کولمبیا، نکاراگوا، پیرو اور فلپائن اپنے آبائی باشندوں کے لیے سب سے زیادہ مہلک ممالک تھے۔

زمین اور وسائل پر لڑائی

مقامی افراد کے حقوق کے ایک محافظ اور برازیل کی مقامی مشنری کونسل کے ایگزیکٹو سیکریٹری انتونیو ڈی اولیویرا نے میڈیا کو بتایا: ''مقامی باشندوں کو طویل عرصے سے ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھا جاتا رہا ہے اور پوری دنیا میں ان سے لڑا جاتا ہے۔''

انہوں نے کہا کہ ان مقامی افراد کی آبائی زمینوں کی لڑائی اس تشدد کا اصل محرک ہے۔ اگرچہ اعداد و شمار میں یہ ہمیشہ واضح نہیں ہوتا لیکن ایسا لگتا ہے کہ گزشتہ دہائی میں عالمی سطح پر ریکارڈ کی گئی ہلاکتوں میں سے نصف سے زیادہ کے پیچھے زمینی تنازعات ہیں۔ بہت سے معاملات میں وجوہات معلوم نہیں ہوتیں۔ گلوبل وٹنس کے مطابق یہ تنازعات اکثر زمین کی ملکیت اور غیر قانونی فصلوں کی کاشت سے متعلق ہوتے ہیں۔

18 فیصد ہلاکتیں کان کنی اور معدنیات نکالنے سے منسلک ہیں اور یہ سب سے زیادہ خطرناک سمجھا جانے والا شعبہ تھا۔ اس کے بعد زرعی کاروبار کے تنازعات میں 10 فیصد جبکہ جنگلات کی غیر قانونی کٹائی کے معاملات پر ہلاکتوں کی شرح نو فیصد تھی۔ افریقہ میں بھی بڑے پیمانے پر جنگلات کی غیر قانونی کٹائی سے قدرتی ماحول کو شدید خطرات لاحق ہیں۔

مہلک تشدد کی آماجگاہیں

لاطینی امریکہ میں مقامی کمیونٹیز طویل عرصے سے اپنی زمینوں کے حقوق کے لیے جدوجہد کر رہی ہیں۔ یہ خطہ برسوں سے ماحولیاتی اور زمینی محافظوں کے لیے مسلسل سب سے زیادہ ہلاکت خیز قرار دیا گیا ہے۔ کولمبیا مقامی سرگرم کارکنوں کے لیے سب سے خطرناک ملک ہے، جہاں پچھلی دہائی کے دوران 135 مقامی برادریوں کے محافظین ہلاک ہوئے۔

دنیا کے ایک دوسرے سرے پر فلپائن میں بھی 2012ء اور 2021ء کے درمیان مقامی باشندوں کی ہلاکتوں میں اضافہ ہوا۔ اس جنوب مشرقی ایشیائی ملک میں ہلاک ہونے والے 270 ماحولیاتی رہنماؤں میں سے 114 مقامی تھے۔ گلوبل وٹنس کی ترجمان مرینا کومانڈولی نے ڈی ڈبلیو کو بتایا کہ بہت سے ایشیائی، مشرق وسطیٰ اور افریقی ممالک میں مقامی ماحولیاتی محافظین کی کسی ہلاکت کی اطلاع نہیں۔ لیکن اس ترجمان کے بقول اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ماحولیاتی محافظوں کی پناہ گاہ ہیں۔ بلکہ اس کی وجہ ان ممالک میں کئی وجوہات کی بنا پر قتل کے ایسے واقعات کا اندراج نہ ہونا ہے۔

محافظوں کا محافظ کون؟

فلپائن سمیت دنیا بھر میں انسانی حقوق کے کارکن اس خطرناک حقیقت کو تبدیل کرنے کے لیے قانونی فریم ورک پر زور دے رہے ہیں۔ اس ضمن میں منیلا میں ماحولیاتی دفاعی بل منظور کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ 2020ء میں متعارف کرایا گیا یہ بل ابھی تک فلپائنی کانگریس میں زیر التوا ہے۔ یہ مجوزہ قانون ماحولیاتی محافظوں کی حفاظت اور ان کے خلاف مہلک اور غیر مہلک تشدد کا ارتکاب کرنے والوں کے خلاف قانونی کارروائی کی ضمانت دے گا۔ دوسری جگہوں پر ہونے والے علاقائی معاہدے ماحولیاتی محافظوں کے تحفظ کی کوششوں کی راہ ہموار کر رہے ہیں۔

ایسکیزو (Escazu) معاہدہ لاطینی امریکہ اور کیریبیئن میں ایک تاریخی معاہدہ ہے جو 2021ء میں نافذ ہوا۔ یہ ماحولیاتی معلومات تک رسائی کی ضمانت دینے اور ماحولیاتی ہلاکتوں کی تحقیقات کی ضرورت کے لیے قانونی طور پر پابند ہونے والا پہلا سمجھوتہ بن گیا ہے۔

ابھی تک خطے کے کئی ممالک نے اس معاہدے کی توثیق نہیں کی ہے ان میں برازیل بھی شامل ہے۔ لیکن بائیں بازو کے رہنما لولا ڈی سلوا کی حال ہی میں بولسونارو کے خلاف صدارتی انتخابات میں فتح کے بعد یہ صورتحال تبدیل ہو سکتی ہے۔ اپنے پہلے عوامی بیان میں ڈی سلوا نے ایمیزون میں جنگلات کی کٹائی کو کم کرنے اور مقامی لوگوں کے حقوق کے تحفظ کا عہد کیا۔ لیکن صرف اس معاہدے کی توثیق کافی نہیں ہے۔ میکسیکو اور کولمبیا جیسے دیگر ممالک نے ایسا کر چکے ہیں لیکن اسے مؤثر طریقے سے نافذ نہیں کر رہے ہیں۔

برازیل کی مقامی مشنری کونسل کے انتونیو ڈی اولیویرا کے لیے ماحولیات کے تحفظ کے لیے کام کرنے والے مقامی کارکن موسمیاتی تبدیلی اور ماحولیاتی تباہی کو روکنے کے محاذ پر ہیں اور ان کی حفاظت کی اہمیت واضح ہے۔ ڈی اولیویرا نے کہا، ''یہ مقامی رہنما صرف اپنے علاقے یا ایک درخت یا ندی کے لیے نہیں لڑ رہے ہیں وہ پورے سیارے اور بہتر زندگی کے لیے لڑ رہے ہیں۔'' **(جولیٹ پینیڈا؛ ڈی ڈبلیو ڈاٹ کام)**

ٹرسٹ رجسٹریشن کے لئے ضروری امور

ایاز احمد چیئرمین نیتی فاؤنڈیشن و ممبر نیشنل ایجوکیشنل اینڈ ولفیر ٹرسٹ اڈیسہ

غیر ملکی ناظم /ممبر/ٹرسٹی ہو سکتا ہے؟

ایک غیر ملکی، ہندوستانی حکومت، اور مرکز کے تحت چلنے والے علاقوں (union territories) میں جہاں رجسٹریشن کا عمل نافذ ہوسکتا ہو، کچھ اجازت اور شرائط کے ساتھ سوسائٹی کا رکن بن سکتا ہے۔
ٹرسٹ میں غیر ملکیوں کے رکن بننے نہ بننے پر کوئی پابندی اور انتظام نہیں ہے۔ لہذا غیر ملکی ٹرسٹ کے ممبر بن سکتے ہیں، لیکن کچھ حکومتی قواعد وضوابط لاگو ہوتے ہیں۔

تعلیمی ادارے قائم کرنے کی اہلیت

سوسائٹی، بہار سمیت تمام صوبوں میں اسکول کالج اور تعلیمی ادارے قائم کرسکتی ہے۔ ٹرسٹ بھی تعلیمی ادارے قائم کرسکتا ہے، مگر بعض صوبوں میں تعلیمی ادارہ قائم کرنے کے لئے ٹرسٹ کی بنسبت سوسائٹی رجسٹریشن کو زیادہ بہتر اور قابلِ ترجیح سمجھا جاتا ہے،

ای، پی، ایف، (EPF) رجسٹریشن :

ایسے ادارے جہاں بیس سے زائد اساتذہ وملازمین خدمت انجام دیتے ہوں اور ان کی تنخواہ کم از کم پندرہ ہزار روپے ہوں، ایسے ادارے ہر حال میں (EPF) رجسٹریشن کرائیں۔ ان صورتوں میں (EPF) ’’امپلائی پروویڈنٹ فنڈ‘‘ کا رجسٹریشن کرانا ضروری ہے، اگر رجسٹریشن نہیں کراتے ہیں، تو ایسے ادارے قانون کی زد میں آئیں گے۔

12AA' 80Gاور FCRA رجسٹریشن :

سوسائٹی اور ٹرسٹ رجسٹریشن کے بعد آپ کو رجسٹریشن نمبر اور پین کارڈ مل جائے گا جس کی مدد سے آپ ٹرسٹ اور سوسائٹی کا کھاتا کھول سکتے ہیں ؛ ادارے کے کام کے لئے ذاتی نام سے اکاؤنٹ کھولنا قانوناً غلط ہے، ادارے کے بینک اکاؤنٹ میں تین نام کو شامل کریں اور ان میں سے کسی دو کے دستخط سے رقم نکالیں۔ اسی پین کارڈ کی مدد سے، رجسٹر شدہ ٹرسٹ اور سوسائٹی، انکم ٹیکس 1961 کے تحت، 12Aاور ,80G رجسٹریشن فارم بھی حاصل کرسکتی ہیں۔

دفعہ 12A اِس کے تین فائدے ہیں

(1) ادارہ کی انکم پر، ادارہ کو کوئی ٹیکس نہیں دینا ہوگا۔ (2) ادارہ کو، حکومت بیرون ملک اور دیگر ایجنسیوں سے گرانٹ لینے میں مدد ملے گی،
(3) FCRA رجسٹریشن کی حصولیابی آسانی ہوگی۔
دفعہ 80G اِس کا فائدہ یہ ہے کہ اگر کسی تنظیم نے انکم ٹیکس ایکٹ کی دفعہ 80G کے تحت سرٹیفکیٹ حاصل کیا ہے، اس این جی او کے چندہ دہندگان، محکمہ انکم ٹیکس سے، اپنی آمد پر ٹیکس معافی کا دعویٰ کرسکتے ہیں۔

نوٹ: دفعہ 12A اور 80G رجسٹریشن فارم درخواست، این جی او کی رجسٹریشن کے بعد ہی دی جاسکتی ہے۔

ایف سی آر اے (FCRA):

یہ بینک سے متعلق ایک مالیاتی قانون ہے، جو بیرون ملک سے رقوم حاصل کرنے کے لئے 1976 میں بنایا گیا تھا، اس کے ذریعے آپ بیرون ملک سے بطور چندہ، جتنے چاہے پیسے لے سکتے ہیں، اِس کے بغیر، آپ اگر بیرون ملک سے چندہ لیتے ہیں، تو آپ کا ادارہ اور تنظیم بند ہوسکتی ہے دفعہ 12A رجسٹریشن کے تین سال بعد، آپ اپنی تنظیم کا FCRA کراسکتے ہیں، جس کیلئے آپ کو تین سالوں کی آڈٹ رپورٹ اور تنظیم کی سرگرمیوں کی تفصیلات پیش کرنی ہونگی۔
(دفعہ 12A / یا12AA، صحیح کیا؟......دونوں ایک ہی چیز ہیں بس فرق اتنا ہے کہ دفعہ (12A) ٹرسٹ کے رجسٹریشن سے متعلق ہے اور دفعہ 12AA ٹرسٹ رجسٹریشن کے آن لائن طریقہ کار سے متعلق ہے)۔

دفعہ 12AA اور 80G جی میں، قانونی ترمیم :

واضح رہے کہ دفعہ 12AA اور 80G کیلئے بجٹ 2020 میں ایک نیا قانون پاس کیا گیا تھا؛ 12AA اور 80G رجسٹریشن کے تحت، ٹیکس معافی کی رعایت پانے والے تمام رفاہی ادارے، 31/مارچ 2022 تک، محکمہ انکم ٹیکس میں درخواست دے کر، 12AA کی جگہ 12AB اور 80G کی جگہ 10AB کے تحت نیا رجسٹریشن کرائیں۔
گویا قدیم رجسٹریشن اب کالعدم سمجھا جائے، مزید اگر کوئی ادارہ ٹیکس معافی طلبگار رہے، تو نئی دفعات کے تحت، از سر رجسٹریشن حاصل کرنا ہوگا۔

دفعہ (12AA To 12AB) کی تبدیلی اثرات :

پہلے تنظیموں کے عطیات اور آمدنی میں، ٹیکس معافی کی رعایت، دفعہ 12AA رجسٹریشن کے تحت ہوا کرتی تھی۔ لیکن اب جدید/قدیم تمام تنظیموں کو ٹیکس معافی کی رعایت، دفعہ 12AB کے تحت دوبارہ درخواست دے کر نیا رجسٹریشن حاصل کرنا ہوگا۔
دفعہ 12AA کے تحت، رجسٹریشن کی مدت زندگی بھر کے لئے تھی۔
اب دفعہ 12AB کے تحت، قدیم تنظیموں کو 5 سال، جبکہ نئی تنظیموں کے لئے 3 سال کا، عارضی رجسٹریشن دیا جائے گا۔
نیز ہر پانچ اور تین سال کے بعد، تمام تنظیموں کو محکمہ انکم ٹیکس کے سامنے، اپنی تمام تر تفصیلات کی تسلی بخش جانکاری دینی ہوگی۔
دفعہ 12AA کے تحت صرف غیر ملکی عطیات کی تفصیلات درکار تھی
دفعہ 12AB کے تحت، ملکی وغیر ملکی، تمام چندہ دہندگان کی تفصیلات، ثبوت کے ساتھ دینی ہوں گی۔
دفعہ 12AA کے تحت اداروں کا تعاون کرنے والے افراد کو، مستحکم بنیادوں پر 80G کے فوائد حاصل تھے۔
لیکن 12AB کے تحت 80G کے فوائد، اب غیر یقینی صورتحال سے دوچار ہیں۔

دفعہ 12AB اور 80G رجسٹریشن کا طریقہ کار :

انکم ٹکس ایکٹ 1961 کے تحت دفعہ 12AB اور 80G، دونوں کے رجسٹریشن کے لئے محکمہ انکم ٹیکس میں، ضروری کاغذات کے ساتھ، ایک درخواست دی جائے گی۔
درخواست کے وصولیابی کے بعد متعلقہ افسر، تنظیم کی سرگرمی اور کاغذات کی تصدیق کرے گا، صحیح پائے جانے کے صورت میں 12AB کی گرانٹ اور 80G کی سہولیات کے لئے، آپ کو ایک تحریری اجازت نامہ جاری کردیا جائے گا، بصورت دیگر درخواست کو مسترد بھی کیا جاسکتا ہے۔

دفعہ 12AB اور 80G رجسٹریشن کے لئے ضروری کاغذات:

(ا) درخواست ؛ دفعہ 10AB رجسٹریشن کے لئے 10A فارم کی شکل میں جب کہ 80G کے لئے 10G فارم کی شکل میں درخواست دینی ہوگی۔
(۲) سوسائٹی کے لئے میمورنڈم آف ایسوسی ایشن اور اُسکا رجسٹریشن نمبر (۳) ٹرسٹ کے لئے، ٹرسٹ ڈیڈ اور اسکا رجسٹریشن نمبر (۴) تنظیم کے آفس کا پتہ (۵) پین کارڈ کی عکسی کاپی (۶) گزشتہ سالوں کی تنظیم کی بینک تفصیلات (۷) چندہ دہندگان کی تفصیلی فہرست (۸) گزشتہ تین سالوں کی تنظیمی سرگرمیوں کی رپورٹ۔
دفعہ 12AB اور 80G رجسٹریشن کے لئے ضروری شرائط: آپ کی تنظیم رجسٹرڈ شدہ ٹرسٹ، سوسائٹی، این جی او NGO (غیر سرکاری تنظیم) ہونی چاہئے۔
دفعہ 12AB اور 80G دونوں رجسٹریشن کے لئے ایک ساتھ درخواست دی جاسکتی ہے، مگر علیحدہ دینے کی صورت میں پہلے 12A رجسٹریشن ہوگا اس کے بعد 80G کے لیے درخواست دی جائے گی۔
تنظیم کا اپنا کوئی تجارتی اور کاروباری ذریعہ آمدنہ ہو۔
تنظیم کی رسیدات اور مصارف کا مستقل ایک رجسٹر میں ریکارڈ ہونا چاہئے۔
تنظیم کی آمدنی اور اثاثے، صرف خیراتی مقاصد میں استعمال کئے جانے چاہئے۔
تنظیم مخصوص مذہبی برادری یا ذات کے فائدے کے لئے نہیں ہونی چاہئے۔
وقف شدہ جائداد کو وقف بورڈ سے رجسٹرڈ کرائیں جس پر ادارہ قائم ہیں تاکہ اس کی ایک قانونی حیثیت قائم ہوسکے۔

جمعیۃ علماء ہند :

یوپی میں جاری سروے کے تناظر میں جمعیۃ علماء ہند نے اہل مدارس کے لئے چند اہم اور ضروری مشورے اور ہدایات مورخہ ۱۷/ستمبر ۲۰۲۲ء کو جاری کئے ہیں جو نہایت مفید اور رہنما خطوط پر مبنی ہیں۔ جسے یہاں درج کیا جا رہا ہے۔
مدارس کی رہنمائی کے . لئے درج ذیل مشورے قابل ذکر ہیں۔
جن مدارس میں متعین افراد سروے کے لئے آئے ہیں، ان کو صرف اپنے بارے میں معلومات فراہم کرنی چاہیے، دیگر مدارس کی طرف سے معلومات بہم پہنچانا یا دوسروں کے فارم اکٹھا کر کے اجتماعی طور پر داخل کرنا قانوناً مناسب نہیں ہے، جتنا سوال سروے کمیٹی کی طرف سے کیا جائے، اپنے جوابات کو وہیں تک محدود رکھیں، اپنی طرف سے اضافہ کرنے سے گریز کریں۔
یہ بات واضح ہونا ضروری ہے کہ غیر منظور شدہ یا غیر رجسٹرڈ مدارس کے لئے حکومت کی طرف سے ابھی تک کوئی گائیڈ لائن جاری نہیں کی گئی ہے، جس کے مطابق مدارس کو عمل کرنا لازمی ہو بلکہ مدارس آر ٹی ای ایکٹ ۲۰۰۹ (RTE Act 2009) سے مستثنیٰ ہیں۔
اگر آپ اپنے مدارس کو اسکول بنا کر پیش کریں گے تو فوری طور پر آر ٹی ای ایکٹ ۲۰۰۹ (RTE Act 2009) عائد ہوگا اور اس کے مطابق تمام شرائط کی پابندی کرنی ہوگی، بصورت دیگر جرمانہ عائد ہوگا اور ادارہ کو بند بھی کیا جاسکتا ہے۔ اس کے مدنظر اپنے مدرسہ کو اسکول ظاہر کرنا سخت نقصان دہ ہے، مدارس کو دینی مدارس ہی ظاہر کیا جائے جن کے قیام کا ہمیں آرٹیکل ۳۰ کے تحت بنیادی حق حاصل ہے۔ ہاں اگر کہیں مدرسہ اور اسکول دونوں موجود ہوں، تو اسکول اور مدرسے کی معلومات الگ الگ فراہم کریں۔
جاری کردہ سرکلر میں دارالاقامہ (ہاسٹل) سے متعلق جو سوالات کیے گئے ہیں، ان کا جواب این سی پی سی آر کی گائیڈ لائن کو ذہن میں رکھتے ہوئے دینا چاہیے۔ اس سے متعلق چیک لسٹ کا اردو ترجمہ پیش کیا جا چکا ہے، جو ہیلپ لائن سے حاصل کرسکتے ہیں۔
بارہ سوالوں میں چار ایسے عنوانات مین جن کی پابندی ملکی قانون کے تحت ضروری ہے چاہے مدارس تسلیم شدہ ہوں یا نہ ہوں: (ا) زمین کی ملکیت (۲) تعمیر اور نقشے کی منظوری (۳) مالی آمد وصرف کا حساب (۴) مدرسہ چلانے والی تنظیم یا ٹرسٹ کا رجسٹریشن۔ ان چار چیزوں سے متعلق اپنے کاغذات درست کرلیں۔
واضح رہے کہ جملہ تفصیلات تحریر کی گئی ہیں اس میں کسی بات کا واقع کے خلاف ہونا بھی ممکن ہے۔

کردار سازی تعلیم کا اصل جوہر

علیزے نجف

اس وقت تعلیم کی اہمیت کے ساتھ ساتھ نصاب تعلیم کی دور رس اثریت کو تو قبول کرلیا گیا ہے لیکن ابھی بھی تعلیمی نظام میں کئی ایسی خامیاں پائی جاتی ہیں جو ذہن سازی کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرنے کا سبب بن رہی ہیں مثلا ہمارے یہاں تعلیمی نظام کو محض معلومات فراہم کرنے کا ذریعہ خیال کرلیا گیا ہے، علم کو برتنے کا رجحان کم سے کم تر ہوتا جارہا ہے، خود تجربہ کرنے اور مشاہدہ ومطالعہ کے ذریعے سیکھنے کی طرف کوئی خاص اہمیت نہیں دی جارہی ہے اس کی وجہ سے پیدا ہونے والے مضر اثرات کو انسانی شخصیت اور معاشرے پہ مرتب ہوتے بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔ اس نے تعلیمی نظام میں ایسا خلا پیدا کردیا ہے جس کی تلافی کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی۔ پچھلے دنوں ایک جملہ میری نظر سے گذرا جس کا مفہوم کچھ اس طرح تھا کہ اگر کسی قوم کو تباہ کرنا چاہتے ہو تو اس کے یہاں کے تعلیمی نظام میں نقب لگاؤ جب وہاں کی تعلیم غیر معیاری ہو جائے گی تو اس سے نکلنے والے ڈاکٹر، انجینئر، ٹیچر، سیاست داں غرضیکہ ہر شعبے سے وابستہ لوگ اپنے اپنے شعبوں میں ناقص کارکردگی کا مظاہرہ کریں گے، یہ نقص ان کے پورے نظام کو کھوکھلا کردے گا اور اس کا وجود اپنی اہمیت کھودے گا۔ یہ ہمارے لئے پرامید پہلو ہے کہ حالات ابھی بھی اتنے خستہ نہیں ہوئے ہیں کہ ماحول میں فقط مایوسی ہی مایوسی ہو۔ متعدد یونیورسٹیوں، کالجوں، اور دیگر تعلیمی اداروں نے تعلیمی نظام کو بہتر کرنے کی غرض سے فن تعلیم وتربیت کے موضوع پہ تحقیق کرنی شروع کردی ہے، وہ نصاب کے ساتھ اس پہلو پر بھی غور وفکر کر رہے ہیں کہ بدلتے وقت کے تقاضوں کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کے لئے طرز تعلیم میں کس طرح کی تبدیلی لائی جائے نصاب کو ایک خاص مدت میں مکمل کرنے کے ساتھ ساتھ طلبہ کی سوچ کو سنوارنے کے لئے مناسب اقدامات کئے جائیں۔ لیکن ان کوششوں کا تناسب اس قدر کم ہے کہ اس کے خاطر خواہ نتائج پیدا کرنے کے امکانات بالکل بھی تشفی بخش نہیں، ملک میں رائج نظام تعلیم کو دیکھتے ہوئے یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اگر قوم وملک کا مستقبل روشن کرنا ہے تو تعلیمی نظام کو بہتر سے بہتر تر کرنے کی کوشش کی جائے۔

تعلیم اس لئے اہم ہے کہ اس کے ذریعے انسانی ذہن کو باشعور بنانے میں مدد ملتی ہے اور نصاب تعلیم کے ذریعے اس بات کا تعین کیا جاتا ہے کہ کس طرح کے علوم کے ذریعے مثبت ذہن سازی کی راہ ہموار کی جا سکتی ہے اور ملک ومعاشرے کو اپنے مطلوبہ مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے جن اذہان وافکار کی ضرورت ہوتی ہے اس کو پیدا کرنے کا کام نصاب کے ذریعے لیا جاتا ہے۔ اس کی اسی اہمیت کے پیش نظر ملک میں نصاب تعلیم کا تعین کرنے کے لئے باقاعدہ کمیٹیاں تشکیل دی جاتی ہیں، تاکہ وہ نصاب کو تیار کرتے ہوئے طلبہ کی ذہنی استعداد اور ان کی مطلوبہ ضرورتوں کو مدنظر رکھ کر نصاب تیار کریں اور ہر درجے میں مختلف نئے علوم واسباق کے ہونے کو یقینی بناسکیں۔ فنی وتکنیکی ضرورتوں کے مطابق اسے ترتیب دیں بیشک نصاب ایک اسٹرکچر کی طرح ہوتا ہے، اکتساب علم کے مثبت رویے کے پیدا کرنے میں یہ معاون ہوتا ہے، بدقسمتی سے ہم نے تعلیم کو محض حصول معاش کا ہی ذریعہ خیال کرلیا ہے، ہمارے لئے علمی اسناد ہی کافی ہوگئیں ہیں اس رویے کے فروغ پانے کی وجہ سے علم کی اصل اہمیت وماہیت پہ منفی اثرات کا غلبہ ہوچکا ہے۔ اس کی وجہ سے اخلاق، تعلیمی نفسیات ثانوی حیثیت اختیار کرگئی ہیں وہیں دوسری طرف انسان کے اندر صلاحیتوں کے بے پناہ امکانات کے ہوتے ہوئے معاشرے میں وہ ایک عام سافرد بن کے رہ جاتا ہے۔

نصاب ایک سانچے کی طرح ہوتا ہے جس میں انسانی ذہن کو ڈھالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کے ذریعے تشکیل کردہ ذہنیت کے ذریعے ہی شخصیت کی تشکیل کی جاتی ہے۔ ہمارے یہاں تعلیمی نظام میں اس کو کوئی خصوصی توجہ نہیں دی جاتی اس کی وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ اب ملک میں تعلیمی اداروں کا ایک جال سا بچھ گیا ہے اس کے قیام کا مقصد قوم کے اذہان کی تعمیر نہیں، بلکہ پیسہ کمانا ہے دوسری طرف والدین صد فیصد مارکس کو اپنا نصب العین بنا بیٹھے ہیں تعلیمی ادارے طلبہ میں روبوٹک طرز پہ سارے علوم کو فیڈ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس چکر میں ان کے اندر کی منفرد سوچوں اور صلاحیتوں کو یکسر نظر انداز کردیا جاتا ہے، ماہرین کی رائے کے مطابق ایسے طلبہ تعلیمی میدان میں کامیاب ہوجاتے ہیں لیکن عملی زندگی میں وہ اکثر ناکام رہتے ہیں کیوں کہ انھوں نے علم کو سمجھا ہی نہیں ہوتا ہے عملی زندگی ڈگریوں سے زیادہ رویوں کے سہارے گذرتی ہے۔ انسان کی شخصیت سازی میں گھر ماحول اور معاشرے کے ساتھ تعلیم کا ایک کلیدی کردار ہوتا ہے، تعلیم میں نظام تعلیم اور نصاب ہی اداروں کا اصل ستون ہوتے ہیں۔ معاشرے میں بیداری وآگہی پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ تعلیم وتربیت میں مفقود توازن کو بحال کیا جائے اور گھریلو نظم زندگی کو بھی بدلتے وقت کے تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی جائے۔

ایک بچہ ابتدائی تین اور چار سال کی عمر سے تعلیمی اداروں سے وابستہ ہو جاتا ہے اور اکثریتی تناسب کے مطابق وہ پندرہ سال کی عمر تک لازماً اسکول جاتا ہے، ماہرین نفسیات کے مطابق انسانی شخصیت پندرہ سال کی عمر تک جیسی بنادی جائے زندگی تقریباً ویسی ہی رہتی ہے، یہاں تک کہ اسے شعوری طور پہ بدلنے کی کوشش نہ کی جائے تجزیہ نگاروں کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر ابتدائی پچیس سالوں میں لوگ اپنی زندگی کے مقصد کے تعین میں ناکام ہوجائیں تو انتہائی مشکل ہے کہ وہ آنے والے سالوں میں اپنی زندگی کو بامقصد بنانے کی کوشش کریں۔

ان دونوں خیالات کی روشنی میں اگر ہم اس عمر کے دورانیے پہ پڑنے والے اثرات کا ذکر کریں تو اس میں تعلیمی ادارے نہایت اہمیت کے حامل ہیں، بیشک بچے بیشتر عادات واطوار اپنے گھر اور اطراف میں بسنے والے لوگوں سے سیکھتے ہیں اس لئے ماحول کو بہتر بنانے کی کوشش کو ہمیشہ سراہا جاتا رہا ہے وہیں تعلیمی اداروں کے نظام اور نصاب کو بھی خاطر خواہ توجہ دینے کی ضرورت ہے، کیوں کہ یہیں سے ہی ایک فرد کے شعور کی شعوری تربیت کا عمل شروع ہوتا ہے۔ وہ اپنے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں معیار زندگی کو بہتر بنانے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔

یہ بات شبہ سے بالاتر ہے کہ کسی کالج یا یونیورسٹی کا معیار صرف اس کے ذریعے دی جانے والی سند یا سرٹیفکیٹ سے نہیں طئے کیا جاسکتا کیوں کہ دو مختلف ادارے سے یکساں سند حاصل کرنے والے طلبہ ڈگری سے زیادہ ماحول کی عکاسی کر رہے ہوتے ہیں ان کی ذہنیت اپنے اداروں کے معیار کو کسی نہ کسی طرح reflect کر رہے ہوتے ہیں کسی بھی ادارے کے اعلی معیار کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے طلبہ اپنے مقاصد کے تئیں کتنے مخلص اور ایماندار ہیں اور وہ معاشرے میں تعمیری کردار ادا کرنے کے لئے کس قدر سنجیدہ ہیں۔ اس ضمن میں ایک طرف ادارے کا ماحول ہے تو دوسری طرف اساتذہ کا رویہ اور ان کے ذریعے پڑھایا جانے والا نصاب ہے۔ طلبہ نصاب سے پہلے اساتذہ کے اس رویے کی تقلید کرتے ہیں جو وہ علم اور طلبہ کے تئیں رکھتے ہیں ایک اچھا استاد ہر مشکل کو آسان کرتا ہے وہ ہر اس راستے کو خود دریافت کرتا ہے جس کے ذریعے وہ علم کو عملی سطح پہ ثابت کرتے ہوئے طلبہ کو سکھا سکے وہ انھیں ان کی جڑوں سے جوڑنے کا ہنر رکھتا ہے انھیں اچھے مارکس کے ساتھ زندگی جینے کا سلیقہ سکھاتا ہے۔ ان صفات کے حامل اساتذہ ڈھونڈنے سے ہی بمشکل مل سکتے ہیں، کیوں کہ تعلیمی اداروں کی بدحالی کا یہ سلسلہ پچھلی کئی دہائیوں سے جاری ہے، نئے اساتذہ ایسے ہی خستہ حال نظام کے پروردہ ہوتے ہیں۔ جب وہ خود تربیت کے بنیادی تقاضوں سے ناواقف ہوں تو وہ بھلا اپنے طلبہ کو کس طرح اس سے روشناس کراسکتے ہیں پھر یہ سلسلہ چل پڑتا ہے اور ماضی کی صحت مند اقدار بدلتے وقت کے قدموں میں دھول بن کے رہ جاتے ہیں۔

ہم مغربی ممالک کی چند برائیوں کو لے کر اس قدر برافروختہ ہوجاتے ہیں کہ ہمیں ان کی وہ خوبیاں نظر نہیں آتیں جو ہم میں تقریباً ناپید ہوتی جا رہی ہیں جیسے آپسی اخلاق، قانون کا احترام، آزادی کا مثبت استعمال وغیرہ ان ممالک میں جہاں آپ کو حسن اخلاق ملے گا وہیں ہر طرف نظم و ضبط اور قانون کا احترام بھی ملے گا یہ صرف اسکول کے نصاب کا ہی کرشمہ نہیں بلکہ گھریلو اور معاشرتی تربیت کا ثمرہ ہے اس میں والدین اور استاد بنیادی کردار ادا کرتے ہیں اب کوئی ایسی بھی مثالیں پیش کر سکتا ہے جو کہ ان کے برخلاف ہوں گی تو اس ضمن میں یہ بات تو قطعی طور پہ کہی جاسکتی ہے کہ اس دنیا میں حق وباطل کی کشمکش ہمیشہ سے تھی اور رہے گی دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ کون سا پلڑا بھاری ہے تاکہ اسی کے مطابق آگے کی حکمت عملی اختیار کی جائے۔

کسی بھی ملک اور قوم کی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ وہاں اخلاقی معیار کو اولیت دی جائے اس کے بعد سائنسی رجحانات کو پنپنے کا موقع دیا جائے اور افراد کے ذہنوں کو تحقیقی مزاج کا حامل بنایا جائے۔ اور غور وفکر کے ساتھ ان میں اختراع پردازی کی صلاحیت کو سنوارا جائے اگر ممکن ہو تو بنیادی عصری اور مذہبی تعلیمات کو یکجا کرنے کی کوشش کی جائے صرف اسپشلائزیشن کے لئے ہی ان کے درمیان تفریق پیدا کی جائے۔ اس طرح اخلاقی تربیت میں مذہب کا سہارا لیا جا سکتا ہے انسانی نفسیات مذہب سے جذباتی طور پر غیر مشروط طریقے سے جڑی ہوتی ہے۔ تبدیلی وقت کی ضرورت ہے جو کہ ہمیشہ جاری رہنے والا عمل ہے ہمارے تعلیمی ادارے بھی اسی ضمن میں آتے ہیں۔

دعاء مغفرت

دارالعلوم دیوبند کے فاضل، نوجوان عالم دین مولانا جمیل احمد قاسمی سعودی عرب میں ایک کار حادثہ میں جاں بحق ہوگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون موصوف ضلع مدھوبنی کے موضع کھور کے باشندہ تھے اور نہایت خوش اخلاق، سنجیدہ مزاج اور باوقار عالم دین تھے، عرصہ کئی سالوں سے سعودی میں ایک دعوت سنٹر اور مسجد کی امامت وخطابت سے وابستہ تھے، مرحوم دورۂ حدیث شریف میں مولانا رضوان احمد ندوی معاون مدیر نقیب کے رفیق درس تھے ان کی عمر ۵۰؍سال کے قریب تھی قارئین سے مولانا مرحوم کیلئے دعاء مغفرت کی درخواست ہے۔

تصحیح فرمالیں

نقیب کے گزشتہ شمارہ نمبر ۴۹، مورخہ ۲۶؍دسمبر ۲۰۲۲ء میں ہجری تاریخ ۲؍جمادی الاخریٰ ۱۴۴۴ھ کے بجائے یکم جمادی الاخریٰ ۱۴۴۴ھ رہ گیا ہے، چونکہ چاند کے اعلان سے قبل ہی اخبار پریس میں پرنٹ کے لئے جاچکا تھا اس لئے اس کی تصحیح نہیں ہوسکی، قارئین نقیب سے گذارش ہے کہ اسے یکم جمادی الاخریٰ کے بجائے ۲؍جمادی الاخریٰ ۱۴۴۴ھ کرلیں۔

منیجر نقیب

کیا اُردو ادب کو نوبل انعام مل سکتا ہے؟

ڈاکٹر سید فیضان حسن

دنیا کے تقریباً ہر ملک میں علم و ادب کے مختلف شعبوں سے متعلق کارہائے نمایاں انجام دینے والوں کو انعامات سے نوازا جاتا ہے۔ ہندوستان میں بھی سرکاری و غیر سرکاری طور پر ملک کی ممتاز شخصیات کو انعامات سے نواز کر اُن کی عزت افزائی کی جاتی ہے۔ اسی طرح مختلف زبانوں کو فروغ دینے والے ادارے بھی اپنے اپنے طور پر مختلف زبانوں کے نمایاں قلمکاروں کو انعامات سے نوازتے رہے ہیں۔ علاوہ ازیں بکر انعام، او۔ ہنری میموریل ایوارڈ (امریکہ) اور JCB انعام وغیرہ بھی بڑی اہمیت کے حامل ہیں مگر نوبل انعام ایک ایسا بین الاقوامی باوقار انعام اور اعزاز ہے جس کا آج تک پوری دنیا میں کوئی انعام ہم پلّہ نہیں ہوسکا۔

نوبل انعام کی ابتدا 1901ء میں کی گئی تھی۔ مختلف علوم کے چھ شعبوں ۔فزکس، کیمسٹری، میڈیسن، امن، معاشیات اور ادب کے میدان میں قابلِ قدر کام کرنے والوں کو یہ نوبل انعام دیا جاتا ہے۔ ہندوستان کے لئے ادب کے میدان میں سب سے پہلا نوبل انعام 1913ء میں بنگال کے معروف شاعر، آرٹسٹ اور مفکر رابندرناتھ ٹیگور کو ملا تھا۔ اس انعام سے ہندوستان کا نام دنیا کے نقشے پر نمایاں ہوگیا تھا۔ ٹیگور کو یہ انعام ان کی نظموں اور گیتوں کے مجموعے کے انگریزی ترجمے پر دیا گیا تھا۔ ٹیگور کو انعام ملنے کے بعد اُردو کے شعرا اور ادیب بھی ان کی تخلیقات سے بے حد متاثر ہوئے تھے۔ جوش ملیح آبادی، نیاز فتح پوری اور فراق گورکھپوری جیسے نابغۂ روزگار بھی ٹیگور کے کلام کے مترجمین میں شامل ہیں۔ ان کی منثور تخلیقات کو بھی اُردو کے قالب میں ڈھالنے والے بے شمار ہیں۔

1901ء سے 2022ء تک جن 119؍مصنفین کو یہ ادبی انعام دیا گیا، ان میں 102 مرد اور 17 خواتین ہیں۔ 2022ء کے لئے 119واں نوبل انعام برائے ادب 82 سالہ فرانس کی فکشن نگار 'اینی اَرنو' کو دیا گیا ہے۔ موصوفہ ادب کا نوبل انعام حاصل کرنے والی فرانس کی پہلی خاتون ہیں۔

اُردو آج عالمی سطح پر بولی جانے والی دنیا کی چھٹی زبان ہے۔ آج اُردو زبان صرف ہندوستان اور پاکستان کے عوام کی زبان نہیں ہے، بلکہ دیگر ممالک کی متعدد یونیورسٹیوں میں بھی پڑھائی جارہی ہے۔ محبانِ اردو کے لئے یہ بات قابلِ فخر ہے کہ امسال اقوام متحدہ کی آفیشل زبانوں میں اُردو کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ اس سے قبل عربی، چینی، انگریزی، فرانسیسی، روسی اور ہسپانوی کل چھ زبانیں اقوام متحدہ کی آفیشل زبانیں تھیں مگر اب اُردو، ہندی اور بنگالی زبانیں مزید شامل ہونے کے بعد ان کی تعداد 9 ہوگئی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُردو ادب عالمی سطح پر اپنی شناخت بنا چکی ہے۔ لہٰذا اسے اب نوبل انعام حاصل کرنے کی جانب بھی توجہ مبذول کرنے کی شدید ضرورت ہے تاکہ عالمی ادب میں بھی اس کی شناخت ہوسکے اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کسی تخلیق کار کا ادب میں مقام و مرتبہ محض کسی انعام کے حصول کی بنیاد پر نہیں کیا جاسکتا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نوبل انعام برائے ادب کا اہل کون ہوسکتا ہے اور اس ادبی مقابلے میں حصہ کیسے لیا جاسکتا ہے؟ مذکورہ انعام کے لئے کسی مصنف کا نام تجویز کرنے کے لئے چند مخصوص اشخاص اور تنظیمیں ہی مجاز ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں:

1- سویڈش اکادمی کے ممبروں یا دیگر اسی اکادمیوں، اداروں اور سوسائٹیوں کے ممبران جو غرض و غایت کے اعتبار سے سویڈش اکادمی کے مماثل ہوں۔
2- یونیوسٹیوں اور یونیورسٹی کالجوں میں ادب اور لسانیات کے پروفیسران۔
3- گزشتہ سالوں میں ادب کے نوبل انعام یافتہ قلمکار۔
4- مصنّفین کی ان سوسائٹیوں کے صدور جو اپنے اپنے ملک میں ادبی تخلیق کے نمائندے ہیں۔
5- نوبل انعام کے لئے کوئی بھی تخلیق کار اپنا نام خود تجویز نہیں کرسکتا۔

ہر برس ستمبر کے مہینے میں نوبل کمیٹی برائے ادب مذکورہ بالا اشخاص اور تنظیموں کو تخلیق کاروں کا نام تجویز کرنے کے لئے سیکڑوں مراسلات کے ساتھ فارم بھی ارسال کرتی ہے۔ وہ اشخاص جو قلمکار کا نوبل انعام کے لئے نام پیش کرنے کے اہل ہیں مگر ان کو نوبل کمیٹی کی جانب سے دعوت نامہ اور فارم موصول نہیں ہوتا، تب بھی وہ کسی تخلیق کار کا نام تجویز کرسکتے ہیں۔ فارم جمع کرانے کی آخری تاریخ اگلے سال 31 جنوری ہوتی ہے۔ فروری سے ستمبر تک اس انعام کا عمل مختلف مراحل سے گزر کر اکتوبر کے مہینے میں آخری منزل تک پہنچتا ہے اور کسی خوش نصیب کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ انعامات کی تقسیم کے لئے تقریب کا انعقاد 10؍دسمبر کو اسٹاک ہوم (سویڈن) میں کیا جاتا ہے۔ یہ انعام ایک میڈل، سند اور 10 ملین سویڈش کراؤن (ہندوستانی کرنسی میں لگ بھگ 7 کروڑ 69 لاکھ 27 ہزار 8 سو روپے) پر مشتمل ہے۔

یہاں یہ ذکر بے محل نہ ہوگا کہ نوبل انعام پس از مرگ نہیں دیا جاتا۔ مذکورہ انعام کے قانون کے مطابق نوبل انعام کے لئے تجویز کئے گئے ناموں کو 50 برس تک پوشیدہ رکھا جاتا ہے۔ ابھی حال میں اس بات کا انکشاف ہوا ہے کہ آج سے 50 سال قبل ایک معروف بنگالی مصنف کا نام ساہتیہ اکادمی (نئی دہلی) کے سکریٹری نے تجویز کیا تھا۔ اس سے ایک بات اور ظاہر ہوجاتی ہے کہ ہندوستان میں ساہتیہ اکادمی نوبل انعام برائے ادب کے لئے نام تجویز کرنے کی مجاز ہے۔

اُردو کے لئے تخلیق کاروں کا نام پیش کرنے سے پہلے ایک مرحلہ اور ہے۔ سب سے پہلی قابل توجہ بات یہ ہے کہ نوبل انعام کے لئے تین زبانوں یعنی انگریزی، فرانسیسی اور جرمنی میں ہی تخلیقات قابل قبول ہیں۔ اگر اُردو کے قلمکار نوبل انعام کے متمنی ہیں تو انہیں مذکورہ زبانوں میں سے کسی ایک زبان میں اپنی شاہکار تخلیق کو ترجمہ کرنا یا کروانا ہوگا۔ اُردو کے قلمکاروں کو اپنے اردو شاہکار کو ترجمہ کرنے کے لئے انگریزی زبان ہی سب سے زیادہ موزوں ہے۔ اب تک انگریزی میں لکھی یا ترجمہ کی گئیں 32 تخلیقات کو ادب کا نوبل انعام حاصل ہوا ہے۔ ان میں براہ راست انگریزی میں لکھی گئیں 29 تخلیقات ہیں۔ دوسرے نمبر پر فرانسیسی زبان ہے جس میں لکھی گئی 16 تصنیفات کو اس انعام سے نوازا گیا۔ تیسرے نمبر پر جرمن زبان ہے جس میں لکھی یا ترجمہ کی گئیں 15 تصنیفات کو یہ انعام حاصل ہوا۔ ان میں براہِ راست جرمنی میں لکھی گئی کتابوں کی تعداد 14 ہے۔ جہاں تک ملکوں کا تعلق ہے تو سب سے زیادہ 16 مرتبہ فرانس کو، 13 مرتبہ امریکہ کو اور 13 مرتبہ برطانیہ کو ادب کا نوبل انعام کا شرف حاصل ہوا ہے۔ ان کے بعد ہی دیگر ممالک کا شمار ہوتا ہے۔

انگریزی میں تراجم کی ضرورت محض نوبل انعام کے لئے ہی نہیں ہے بلکہ دیگر بین الاقوامی ادبی انعام کے حصول کے لئے بھی لازمی ہے۔ اردو ہی نہیں بلکہ ہندوستان کی دیگر زبانوں کے قلمکار اگر کوئی بھی بین الاقوامی انعام کے خواہشمند ہیں تو انہیں اپنی تخلیقات کو انگریزی میں منتقل کرنے کی ضرورت پیش آئے گی۔ ابھی چند روز قبل شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ کے پروفیسر خالد جاوید کے اردو ناول 'نعمت خانہ' کے انگریزی ترجمے (The Paradise of Food) کو JCB (Joseph Bamford) انعام سے نوازا گیا ہے۔ ان کے اردو ناول کا انگریزی ترجمہ باراں فاروقی نے کیا ہے۔ JCB انعام برائے ادب ایک ہندوستانی ادبی انعام ہے جس کو 2018ء میں شروع کیا گیا تھا۔ JCB کا اردو کے لئے یہ پہلا انعام ہے۔ یہ انعام ہندوستان کے ایسے فکشن نگار کو دیا جاتا ہے جس نے اپنی شاہکار تخلیق یا تو انگریزی میں لکھی ہو یا کسی ہندوستانی مترجم نے اس کا معیاری ترجمہ کیا ہو۔ اس انعام کے وصول کنندہ مصنف کو 25 لاکھ روپے اور مترجم کو 10 لاکھ روپے پیش کئے جاتے ہیں۔

علاوہ ازیں ہندی کی معروف افسانہ نویس اور ناول نگار گیتانجلی شری کے ہندی ناول 'ریت سمادھی' کے انگریزی ترجمے Tomb of Sand کو بھی بکر انعام (Booker Prize) سے نوازا گیا ہے۔ اس ہندی ناول کا انگریزی ترجمہ امریکی مترجم ڈیزی راک ول (Daisy Rockwell) نے کیا ہے جو ہندی اور اردو سے انگریزی ترجمے کے لئے عالمی شہرت یافتہ خاتون ہیں۔ اس انعام میں بھی مصنف کے ساتھ مترجم کو بھی نقد انعام سے نوازا جاتا ہے۔ International Booker Prize ہر برس دیا جاتا ہے مگر یہ انعام ان ہی تخلیقات کو دیا جاتا ہے جو انگریزی میں ترجمہ کی گئی ہوں اور آئرلینڈ یا برطانیہ سے شائع ہوئی ہوں۔ ڈیزی کا مذکوری ناول کا ترجمہ کرنا ہی کافی نہیں تھا بلکہ آئرلینڈ یا برطانیہ سے اس کا شائع ہونا بھی لازمی تھا۔ چنانچہ ہم عصر ایشیائی ادب میں دلچسپی رکھنے والی غیر منافع بخش برطانیہ پبلشنگ ہاؤس نے اسے شائع کیا۔

اردو کی ادبی تخلیقات کے انگریزی تراجم پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو کے ممتاز شعرا اور فکشن نگاروں کی تخلیقات کو انگریزی جامہ بھی پہنایا گیا ہے۔ یہ کام تخلیق کاروں نے خود بھی کیا ہے اور ترجمہ نگاروں نے بھی۔ آج سے ایک سو پچاس برس قبل انیسویں صدی میں اردو اس دور سے بھی گزری ہے جب اردو کی روایتی شاعری سے بغاوت کرنے والے تخلیق کار انگریزی زبان کی نظموں کو اردو کے قالب میں ڈھال رہے تھے یا مغربی شعرا کے کلام کو نمونہ بنا کر مغربی طرز پر نظمیں تخلیق کر رہے تھے۔ اس کے برعکس آج اکیسویں صدی میں اردو کو اپنی منظوم و منثور تخلیقات کو انگریزی پیراہن میں ڈھالنے کی ضرورت پیش آرہی ہے تاکہ وہ عالمی ادب میں بھی اپنی شناخت بنا سکے۔

غرضیکہ نوبل انعام حاصل کرنے کے لئے ایک منظّم کوشش کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے ملک کے معروف اردو تخلیق کار، نقاد اور محققین کی ایک ادبی کمیٹی تشکیل دی جانی چاہئے۔ اس کمیٹی میں مختلف یونیورسٹیوں کے شعبۂ انگریزی کے ان پروفیسران کو بھی شامل کیا جانا چاہئے جن کو اردو سے انگریزی اور انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرنے میں مہارت حاصل ہو۔ ہمارے ملک کے مختلف سرکاری و غیر سرکاری ادبی ادارے اردو تخلیق کاروں کو ادبی انعامات سے نوازتے ہیں۔ یہ کمیٹی خاص طور پر انعام یافتہ تخلیقات کا سنجیدگی اور گہرائی سے مطالعہ کرنے کے بعد عالمی ادب کے لئے اس کی قدر و قیمت کو آنکنے کا کام کرے۔ اُن تخلیقات کو بھی زیر غور لایا جاسکتا ہے جنہیں انعام نہیں ملا مگر وہ اردو ادب میں معیاری اہمیت کی حامل ہیں۔ پھر کمیٹی کے ممبران کے درمیان بحث و مباحثہ کے بعد کسی آخری نتیجہ پر پہنچا جائے۔ اس ضمن میں تخلیقات کی چھان بین اور ادب میں اس کی قدر و قیمت کے نوبل انعام کی ادبی کمیٹی جو پیمانے اپناتی ہے ان کا بھی بغور مطالعہ کیا جائے اور تخلیقات کو اس بنیاد پر آنکا جائے تو بہتر نتائج برآمد ہوسکتے ہیں۔ کم سے کم تین تخلیقات کو منتخب کیا جائے اور تینوں انتخابات کو ملک کے مختلف اداروں کے توسط سے نوبل انعام کے لئے بھیجا جائے۔

معیاری تخلیقات کے انتخاب کے بعد دوسرا مرحلہ ان کو انگریزی تراجم کا جامہ پہنانا ہے۔ اس سلسلے میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبۂ انگریزی سے بھی رابطہ کیا جاسکتا ہے۔ چند برس قبل اس شعبے کو یو جی سی کی جانب سے اُردو کے معروف افسانہ نگار پریم چند کے افسانوں کے انگریزی تراجم کا ایک پروجیکٹ سونپا گیا تھا۔ اس نے زیر نگرانی 70 ترجمہ نگاروں کی اشتراکی مہم سے پریم چند کے 300 افسانوں کا انگریزی میں ترجمہ کیا گیا جو چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ ان کو مصنف، نقاد، مترجم اور شعبۂ انگریزی کے پروفیسر اسدالدین نے مرتب کیا ہے۔ تراجم کے متعلق اس شعبے کے تجربات سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

نوبل انعام کے حصول سے ہندوستانی زبانوں کے تخلیق کاروں کے ساتھ ساتھ ترجمہ نگاروں کو بھی فائدہ ہوگا۔ اگر ہندوستان کی کسی زبان کی کوئی تخلیق بڑا انعام حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتی ہے تو عالمی سطح پر قارئین اور پبلشروں کی توجہ ہندوستان کے ادب کی طرف ہوجائے گی۔ اس کا فائدہ ملک کی دیگر زبانوں کے ساتھ ادب کو بھی ہوگا اور ان کے تخلیق کاروں کو بھی۔ اس سے پوری دنیا کو یہ پیغام بھی پہنچے گا کہ ہندوستان میں بھی ادیبوں کی کمی نہیں۔ اگر ہندوستان کی کسی بھی زبان کو یہ اعزاز حاصل ہوتا ہے تو نہ صرف ہندوستانی ادیبوں کی حوصلہ افزائی ہوگی بلکہ ملک کا بھی نام روشن ہوگا۔

جہاں تک اردو تخلیقات کا انگریزی ترجمے کا تعلق ہے تو تخلیق کار اپنی تخلیقات کو انگریزی میں منتقل کرانے کے لئے ترجمے کی طرف زیادہ دھیان دیں گے۔ وہ یہ بھی کوشش کریں گے کہ ان کی تخلیقات کے ترجمے بیرون ممالک شائع ہوں۔ بیشتر معیاری تخلیقات بھی بڑے انعامات سے محروم رہ جاتے ہیں کیونکہ ان کے ترجمے انگریزی زبانوں میں نہیں ہوتے۔ مذکورہ بالا انعامات کے حصول سے ہندوستان میں ترجمے کے تئیں نقطۂ نظر میں بھی تبدیلی واقع ہوگی اور ترجمے پر پہلے سے زیادہ توجہ دی جائے گی۔ اس سے نہ صرف اردو اور ہندی سے انگریزی میں ترجمے کو فروغ ہوگا بلکہ انگریزی سے اردو زبان میں ترجمے کی طرف بھی رجحان بڑھے گا اور لوگ ہندوستان کی دیگر زبانوں سے بھی اردو اور ہندی میں ترجمہ کرانے پر زور دیں گے۔ اُردو کی شاہکار تخلیقات کے ترجمے کے مسائل کے لئے اگر اردو زبان کو فروغ دینے والے ادارے تعاون کریں تو یہ کام زیادہ آسان ہوجائے گا۔ بقول ایک پبلشر مذکورہ کتابوں کے انٹرنیشنل انعام کے حصول کے بعد پبلشروں کی توجہ بھی پاپولر لٹریچر کی جگہ سنجیدہ ادب کی طرف بڑھے گی۔ ہندی کے پبلشر، گیتانجلی شری کے انعام سے ہونے والی متوقع تبدیلیوں کو وسیع پیمانے پر دیکھ رہے ہیں۔ پروفیسر خالد جاوید کے اردو ناول کے جے سی بی انعام ملنے کے بعد اردو قارئین اردو پبلشروں کے ردّعمل کے منتظر ہیں۔

حضرت عمر فاروقؓ کا نظام حکومت

عبدالرشید عراقی

اسلام میں با قاعدہ حکومت کی داغ بیل تو حضرت ابوبکر صدیقؓ سے شروع ہوئی۔لیکن با قاعدہ نظام حکومت حضرت عمرؓ کے عہد میں شروع ہوا۔حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مختصر دورِ حکومت میں اگرچہ بڑی بڑی مہمات کا فیصلہ ہوا۔لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے ایک طرف تو فتوحات کو یہ وسعت دی کہ قیصروکسریٰ کی وسیع سلطنتیں ٹوٹ کرعرب میں مل گئیں۔دوسری طرف حکومت وسلطنت کا نظام قائم کیا اوراس کواس قدر ترقی دی کہ ان کی وفات تک حکومت کے جس قدر مختلف شعبے ہیں سب وجود میں آچکے تھے۔علامہ شبلی فرماتے ہیں:-

’’حضرت عمرؓ نے بغیر کسی مثال اورنمونے کے جمہوری حکومت کی بنیاد ڈالی اوراگرچہ وقت کے اقتضاء سے اس کے تمام اصول وفروع مرتب نہ ہوسکے۔تاہم جو چیزیں حکومت جمہوری کی روح ہیں سب وجود میں آگئیں ان میں سب کا اصل الاصول مجلس شوریٰ کا انعقاد تھا یعنی جب کوئی انتظام پیش آتا تھا۔تو ہمیشہ اربابِ شوریٰ کی مجلس منعقد ہوتی تھی اور کوئی امر بغیر مشورہ اور کثرت رائے کے عمل میں نہیں آسکتا تھا‘‘۔(الفاروق ص 254)

جمہوری اور شخصی سلطنت میں جو فرق ہے بہتر ہے کہ وہ بھی آپ علامہ شبلی کی زبان سے ملاحظہ فرمائیں: وہ فرماتے ہیں کہ:-

’’جمہوری اور شخصی طریق حکومت میں جو چیز سب سے بڑھ کر مابہ الامتیاز ہے وہ عوام کی مداخلت اور عدم مداخلت ہے یعنی حکومت میں جس قدر رعایا کو دخل دینے کا زیادہ حق حاصل ہوگا۔اسی قدر اس میں جمہوریت کا عنصر زیادہ ہوگا۔یہاں تک کہ سلطنت جمہوری کی اخیر حد یہ ہے کہ مسند نشین حکومت کے ذاتی اختیارات بالکل فنا ہوجائیں۔اور وہ جماعت کا رکن صرف ایک ممبر رہ جائے۔برخلاف اس کے شخصی سلطنت میں تمام دارومدار صرف ایک شخص پر ہوتا ہے،اس بناء پر شخصی سلطنت سے خواہ مخواہ نتائج ذیل پیدا ہوتے ہیں:

(1) بجائے اس کے کہ ملک کے تمام قابل اشخاص کی قابلیتیں کام میں آئیں۔صرف چند ارکان سلطنت کے عقل وتدبیر پر کام چلتا ہے۔

(2) چونکہ بغیر چند عہدیدار کے اورلوگوں کوملکی انتظامات سے کچھ سروکار نہیں ہوتا۔اس لئے قوم کے اکثر افراد سے انتظامی قوت اورقابلیت رفتہ رفتہ معدوم ہونے لگتی ہے۔

(3) مختلف فرقوں اور جماعتوں کے خاص خاص حقوق کی اچھی طرح حفاظت نہیں ہوتی۔کیونکہ جن لوگوں کو ان حقوق سے غرض ہے،ان کو انتظام سلطنت میں دخل نہیں ہوتا اور جن لوگوں کو دخل ہوتا ہے ان کو غیروں کے حقوق سے اس قدر ہمدردی نہیں ہوسکتی۔جتنی خود ارباب حقوق کو ہوسکتی ہے۔

چونکہ بجز چند ارکان سلطنت کے کوئی شخص ملکی اورقومی کاموں میں دخل دینے کا مجاز نہیں ہوتا،اس لئے قوم میں ذاتی اغراض کے سواقومی کاموں کا مذاق معدوم ہوجاتا ہے۔

یہ نتائج شخصی سلطنت کے لوازم ہیں۔اورکبھی اس سے جدا نہیں ہوسکتے برخلاف اس کے جمہوری سلطنت میں اس کے بہ عکس نتائج ہوں گے۔اس بناء پر جس سلطنت کی نسبت جمہوری وشخصی کی بحث ہو۔اس کی نوعیت کا اندازہ اس نتائج سے بھی کیا جاسکتا ہے۔(الفاروق ص 253,252)

علامہ شبلی کے اقتباسات سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کی حکومت جمہوری تھی،شخصی نہ تھی اور جو کچھ بھی ہوتا تھا وہ مجلس شوریٰ میں ہی ہوتا تھا اورکثرت رائے سے ہوتا تھا۔جیسا کہ وہ فرماتے ہیں:

’’مجلس شوریٰ کا انعقاد اور اہل الرائے کی مشورت واستحسان کے طور پر نہ تھی بلکہ حضرت عمرؓ نے مختلف موقعوں پر صاف صاف فرمادیا تھا کہ مشورے کے بغیر خلافت سرے سے جائز ہی نہیں۔ان کے خاص الفاظ یہ ہیں۔لا خلافة الا عن مشورة‘‘(الفاروق ص 256)

مجلس شوریٰ کے ارکان کے علاوہ عام رعایا کو بھی انتظامی امور میں مداخلت حاصل تھی۔صوبہ جات اور اضلاع کے حاکم اکثر رعایا کی مرضی سے مقرر کئے جاتے تھے۔علامہ شبلی نعمانی نے الفاروق میں قاضی ابویوسف کی کتاب الخراج کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

’’کہ کوفہ،بصرہ اورشام میں جب عمال خراج مقرر کئے جانے لگے تو حضرت عمرؓ نے ان تینوں صوبوں میں احکام بھیجے کہ وہاں کے لوگ اپنی اپنی پسند سے ایک ایک شخص انتخاب کر کے بھیجیں جو ان کے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ دیانت دار وار قابل ہو،چنانچہ کوفہ عثمان بن فرقد،بصرہ سے حجاج بن علاط شام سے معن بن یزیز کولوگوں نے منتخب کر کے بھیجا اور حضرت عمر فاروقؓ نے انہیں لوگوں کو ان مقامات پر حاکم مقرر کیا‘‘۔(الفاروق ص 257)

نظام حکومت: نظام حکومت کے ابتدائی سلسلہ میں یہ تمام انتظامات میں ملک کے مختلف حصوں میں تقسیم ہونا ہے،جن کوصوبہ اور ضلع سے تعبیر کیا جاتا ہے اسلام میں حضرت عمرؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس کی ابتداء کی اور اس زمانے کے مطابق صوبوں کی نہایت موزوں تقسیم کی۔تمام مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ انہوں نے ممالک مقبوضہ 8 صوبوں میں تقسیم کیا اور یہ تقسیم آپ نے 20ھ میں کی۔آٹھ صوبے یہ ہیں۔مکہ،مدینہ،شام،جزیرہ،بصرہ،کوفہ،مصراور فلسطین۔((الفاروق ص 261)

ہرصوبے میں مندرجہ ذیل بڑے بڑے عہدہ دار ہوتے تھے۔والی یعنی گورنر صوبہ۔کاتب یعنی میرمنشی،کاتب دیوان یعنی محکمہ فوج کا میرمنشی۔کلکٹر۔صاحب احداث یعنی پولیس افسر۔صاحب بیت المال یعنی افسرخزانہ،قاضی یعنی جج۔اضلاع میں افسرخزانہ اور قاضی بھی مقرر تھے۔جو گورنر کے ماتحت ہوتے تھے۔تحصیلوں میں تحصیلدار تھے۔اوران کے ساتھ ان کا عملہ ہوتا تھا۔

محکمہ مال: اس محکمہ میں حضرت عمرؓ نے بہت سی اصلاحات کیں۔اورزمین کی پیمائش کے لئے مشہور صحابی عثمان بن حنیف اور حذیفہ بن یمان کو مقرر فرمایا۔انہوں نے زمین کی پیمائش کی اور پیمائش کے لئے جو پیمانہ بنایا گیا تھا۔وہ حضرت عمرؓ نے اپنے ہاتھ سے بنایا تھا۔جنگلوں،پہاڑوں وغیرہ کو چھوڑ کر جو قابل کاشت زمین تھی۔وہ تین کروڑ 60 لاکھ جریب تھی (یعنی ایک کروڑ 35 لاکھ ایکڑ) ملکیت زمین کے جابرانہ قانون مٹادیئے۔غیرآباد زمینوں کے لئے حکم دیا کہ جوشخص ان کوآباد کرے وہی مالک ہے اگر تین سال تک آباد نہ کرے تو زمین اس سے واپس لے لی جائے گی۔مالیہ مقرر فرمایا جوسال بھر میں صرف ایک بار وصول کیا جاتا تھا۔وہ حسب ذیل ہے۔

گیہوں	فی جریب	2 درہم سالانہ	
جو	ایضاً	1 درہم سالانہ	
کماد	ایضاً	6 درہم سالانہ	
کپاس	ایضاً	5 درہم سالانہ	
انگور	ایضاً	10 درہم سالانہ	
تل	ایضاً	8 درہم سالانہ	
ترکاری	ایضاً	3 درہم سالانہ	(الفاروق ص 282)

لگان کے علاوہ خراج،عشر،زکوٰۃ،جزیہ،مال غنیمت کا خمس بھی وصول کیا جاتا تھا۔عشر کا یہ حال تھا کہ سال میں جتنی فصلیں ہوتی تھیں سب کی پیداوار سے الگ الگ عشر وصول کیا جاتا تھا۔زکوٰۃ کا یہ حال تھا کہ نقد روپیہ،سونا،چاندی کے علاوہ بھیڑ،بکری اوراونٹ پر بھی زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی۔

محکمہ عدالت: یہ محکمہ بھی اسلام میں حضرت عمر فاروقؓ کی بدولت وجود میں آیا۔ترقی تمدن کا پہلا دیباچہ یہ ہے کہ عدلیہ،انتظامیہ سے علیحدہ ہو۔دنیا میں جہاں جہاں حکومت وسلطنت کے سلسلے قائم ہوئے مدتوں بعد ان دونوں محکموں میں تفریق ہوئی لیکن حضرت عمرؓ نے خلافت کے چند روز بعد ہی ان دونوں محکموں کو علیٰحدہ کردیا۔

آپ نے تمام اضلاع میں عدالتیں قائم کیں اور جج مقرر فرمائے اوراس کے ساتھ ساتھ قضاء کے اصول وآئین مرتب فرمائے،آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری گورنر کوفہ جو فرمان لکھا تھا۔اورجس میں محکمہ کے تمام اصولی احکام درج تھے۔ملاحظہ فرمائیں:-

’’......خدا کی تعریف کے بعد قضاء ایک ضروری فرض ہے،لوگوں کو اپنے حضور میں اپنی مجلس میں اپنے انصاف میں برابر رکھ تاکہ کمزور انصاف سے مایوس نہ ہو۔اورزوردار کوتمہاری رورعایت کی امید پیدا نہ ہو جو شخص دعویٰ کرے اس پر بار ثبوت پہلے اور جوشخص منکر ہو اس پر قسم صلح جائز ہے بشرطیکہ اس سے حرام حلال،اورحلال حرام نہ ہونے پائے۔کل اگر تم کوئی فیصلہ کیا تو آج غور کے بعد اس سے رجوع کرسکتے ہو۔جس مسئلہ میں شبہ ہو اور قرآن وحدیث میں اس کا ذکر نہ ہو تو اس پر غور کرو اور پھر غور کرو۔اوراس کی مثالوں اورنظریوں پر خیال کرو۔پھر قیاس لگاؤ۔جوشخص ثبوت پیش کرنا چاہے اس کے لئے ایک معیار مقرر کرو۔اگر وہ ثبوت دے تو اس کا حق دلاؤ،ورنہ مقدمہ خارج۔مسلمان مسلمان سب ثقہ ہیں۔باستغنائے ان اشخاص کے جن کو حد کی سزا میں دُرّے لگائے گئے ہو یا جنہوں نے جھوٹی گواہی دی ہو یا ولاء اور وراثت میں مشکوک ہوں‘‘۔(الفاروق ص 300،299)

حضرت عمرؓ نے ان تمام امور کا اس خوبی سے انتظام کیا کہ اس سے بڑھ کر نہیں ہوسکتا تھا۔قانون بنانے کی ضرورت نہ تھی۔اسلام کا اصلی قانون قرآن مجید موجود تھا چونکہ اس میں جزئیات کا احاطہ نہیں۔اس لئے حدیث اجماع وقیاس سے مدد لینے کی ضرورت تھی اور حضرت عمرؓ نے خاص طور پر جج صاحبان کو اس کی ہدایت لکھی۔چنانچہ آپ نے قاضی شریح کو ایک فرمان لکھا۔’’کہ مقدمات میں اول قرآن مجید کے مطابق کرو،قرآن مجید میں سورت مذکور نہ ہو تو حدیث اور حدیث نہ ہو تو اجماع (کثرت رائے) کے مطابق اور کہیں پتہ نہ لگے تو خود اجتہاد کرو‘‘(الفاروق ص 301) جج کے انتخاب میں بہت احتیاط برتی جاتی تھی۔جوشخص اس کا اہل ہوتا تھا۔اس کو جج مقرر کیا جاتا تھا اور اس کے ساتھ آپ نے یہ بھی حکم دیا تھا کہ جوشخص مالدار اور معزز نہ ہو اس کو جج مقرر نہ فرمایا جائے اور یہ اس لئے کہ ’’دولت مند رشوت کی طرف راغب نہ ہوگا اور معزز آدمی پر فیصلہ کرنے کے رعب وداب کا اثر نہ ہوگا‘‘(الفاروق ص 304)اوراس کے ساتھ جج صاحبان کی تنخواہیں بیش قرار مقرر کیں،تاکہ انہیں بالائی رقم کی ضرورت نہ ہو۔

عدالت وانصاف کا ایک بڑا لازمہ عام مساوات کا لحاظ ہے۔یعنی ایوان عدالت میں شاہ وگدا،امیر وغریب،شریف ورذیل سب ہم مرتبہ سمجھے جائیں۔آپ ہمیشہ انصاف میں مساوات کی تاکید فرماتے تھے۔ایک دفعہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابی بن کعب میں کسی بات پر جھگڑا ہوا تو ابی بن کعب نے زید بن ثابتؓ کی عدالت میں مقدمہ دائر کردیا۔قاضی حضرت عمرؓ کی تعظیم کے لئے کھڑا ہوا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا تم نے یہ پہلا ظلم کیا،اتنی بات کہہ کر حضرت ابی بن کعب کے پاس بیٹھ گئے۔ابی بن کعب کے پاس کوئی گواہ نہیں تھا۔حضرت عمرؓ کو دعویٰ سے انکار تھا۔قانون کے مطابق حضرت ابی نے حضرت عمرؓ سے قسم لینی چاہی۔لیکن قاضی نے کہا کہ امیرالمومنین سے قسم نہ لی جائے۔حضرت عمرؓ نے اپنی اس طرف داری پر حضرت زیدؓ سے بہت رنجیدہ ہوئے اور فرمایا’’جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمرؓ دونوں برابر نہ ہوں۔تم منصب قضاء کے قابل نہیں سمجھے جاسکتے‘‘(الفاروق ص 304)

اس کے ساتھ ہی آپ نے محکمہ پولیس،محکمہ بیت المال یا خزانہ،محکمہ رفاہ عامہ یعنی پبلک ورک،سرائیں،شہروں کا آباد کرنا،محکمہ دفاع،اقلیتوں کے حقوق اورقرآن مجید کی جمع وتدوین اور ترتیب،قرآن مجید کی حفاظت اور صحت،الفاظ واعراب کی تدبیریں۔مکاتب قرآن،بدوؤں کی جبری تعلیم،کتاب کی تعلیم،تعلیم قرآن کا طریقہ،حدیث کی تعلیم،فقہ کی تعلیم،مسائل فقہ کی اشاعت،مساجد کی تعمیر اور مساجد میں اماموں اورمؤذنوں کا تقرر وغیرہ یہ سب کچھ آپ نے بسلسلہ تعلیم انتظام کیا۔حضرت عمر فاروقؓ کے عہد مبارک میں اسلام تیزی سے پھیلا اور ہرایک کے لئے ترقی کے دروازے کھلے اس عہد فاروقی کو تاریخ کا زریں عہد کہا جاتا ہے۔

بکھرے موتی

ڈاکٹر عائض القرنی

بے جا تنقید کا سامنا کیسے کریں: کچھ بے وقوف و بے عقل تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شان میں بھی گستاخی کردیتے ہیں، جو خالق و مالک اور پالنہار ہے، جو سب کو روزی دیتا ہے، جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر ہم اور آپ 'جو خطا کار ہیں غلطیاں کرتے رہتے ہیں' کی کیا حیثیت۔ ہمیں تو لوگوں کی بے جا برائی اور تنقید کا سامنا کرنا ہی پڑے گا۔ ہمیں کمزور کرنے کے منصوبے بنیں گے، جان بوجھ کر اہانت کی جائے گی۔ جب تک آپ دے رہے ہیں، بنا رہے ہیں، مؤثر ہیں، ترقی کررہے ہیں تب تک لوگ آپ پر تنقید سے نہ چوکیں گے سوائے اس کے کہ آپ زمین میں سما جائیں یا آسمان پر چڑھ جائیں اور ان کی نظروں سے دور ہوجائیں۔ جب تک آپ ان کے بیچ ہیں آپ کو اذیت پہنچتی رہے گی، آنسو نکلیں گے، نیند اڑے گی۔ جو زمین پر بیٹھا ہوا ہے وہ نہیں گرتا:

گرتے ہیں شہ سوار ہی میدان جنگ میں

لوگ آپ سے اسی لئے تو ناراض ہوتے ہیں کہ آپ علم، صلاحیت، اخلاق یا مال میں ان سے بڑھ گئے ہیں، وہ آپ کو معاف کر ہی نہیں سکتے، جب تک آپ کی صلاحیتیں ختم نہ ہوجائیں، اور اللہ کی نعمتیں آپ سے چھن نہ جائیں، آپ ساری اچھائیوں اور خوبیوں سے تہی دامن نہ ہوجائیں، بے کار اور صفر ہوکر نہ رہ جائیں۔ یہی وہ چاہتے ہیں، لہٰذا آپ کو ان کی بے جا تنقید، ناروا باتوں اور تحقیر کو برداشت کرنا ہوگا۔ 'احد پہاڑ' کی طرح جم جایئے، ایسی چٹان بن جایئے جس پر اولے پڑتے ہیں اور ٹوٹ کر بکھر جاتے ہیں، چٹان اپنی جگہ جمی رہتی ہے۔ اگر آپ نے لوگوں کی تنقیدوں کو اہمیت دے دی تو آپ کی زندگی کو مکدر کردینے کی ان کی منہ مانگی مراد پوری ہوجائے گی لہٰذا بہتر طور پر درگزر کیجئے ان سے اعراض کیجئے اور ان کی باتوں میں نہ آیئے۔ ان کی فضول برائی سے آپ کا درجہ بلند ہوگا۔ پھر جتنا بھی آپ کا وزن ہوگا اتنا ہی ہنگامہ اور شور وشغب آپ کے خلاف ہوگا۔ آپ کس کس کے منہ کو بند کریں گے، لیکن اگر ان سے صرف نظر کریں، ان کے حال پر چھوڑ دیں گے تو آپ ان کی تنقیدوں سے بچ سکتے ہیں۔ ''آپ کہہ دیں اپنے غیظ وغضب میں مرجاؤ'' (119:3) یہی نہیں بلکہ آپ اپنے فضائل ومحاسن میں اور اضافہ کرکے اپنے خامیوں کو دور کرکے ان کی زبانوں میں تالا ڈال سکتے ہیں۔ ہاں، اگر آپ یہ چاہیں گے کہ دنیا کے نزدیک تمام عیوب سے بری ہوجائے اور سبھی لوگوں میں مقبول ہوجائیں تو یہ ناممکن کی آرزو ہے اور دور کی امید۔

خالی نہ بیٹھیں: دنیا میں خالی بیٹھنے والے وہ ہوتے ہیں جو افواہ باز ہوں، کیونکہ ان کے ذہن ودماغ بٹے ہوتے ہیں ''وہ راضی ہوگئے کہ پیچھے رہ جانے والوں میں ہوں'' (87:9) آدمی کا بے کار بیٹھنا نہایت خطرناک ہے۔ اس کا ذہن شیطان کا مسکن بن جائے گا۔ وہ شتر بے مہار کی مانند اِدھر اُدھر بھٹکے گا۔ جب آپ کام سے خالی بیٹھے تو غم وفکر اور الجھنیں آکر رہیں گی، ماضی، حال اور مستقبل کی فائلیں کھل جائیں گی، اور آپ مشکل میں پڑ جائیں گی۔ میری آپ سب کو یہ نصیحت ہے کہ بے کاری کے بجائے کچھ اچھے کام شروع کردیں، بے کار رہنا اپنے آپ کو زندہ درگور کرنا ہے، سکون کا کیپسول لے کر خودکشی کرنا ہے۔ بے کاری کی مثال تو اس سِلو ٹارچر کی ہے جو چین کے قید خانوں میں ہوتا تھا کہ قیدی کو اس نالی کے نیچے کردیتے جس سے ہر منٹ پر ایک قطرہ گرتا ہے۔ ان قطروں کے انتظار میں قیدی پاگل ہوجاتا ہے۔ آرام طلبی غفلت کا نام ہے، فرصت ایک پیشہ ور چور ہے، اس حالت میں آپ کی عقل موہوم جنگوں کی شکار ہوجائے گی۔ لہٰذا جب خالی ہوں تو نماز پڑھنے کھڑے ہوجائیں، تلاوت کریں، مطالعہ کریں، دنیا کے طبیب و ڈاکٹر اس کے بدلے 50 فیصد خوشی کی گارنٹی دیتے ہیں، کسانوں، مزدوروں اور کامگاروں کو دیکھیں کہ وہ کس طرح چڑیوں کی طرح مستی سے گاتے اور خوش رہتے ہیں جب کہ آپ بستر پر پڑے آنسو پونچھتے رہتے ہیں، کیونکہ بے کاری نے آپ کو ڈس لیا ہے۔

نقال نہ بنیں: دوسروں کی نقل نہ کیجئے، اپنی شخصیت کو کم نہ کیجئے، بہتیرے لوگ مستقل عذاب کا شکار رہتے ہیں؛ کیونکہ وہ چاہتے ہیں کہ اپنی حرکات وسکنات، آواز اور کلام ہر چیز میں دوسروں کی ایسی نقل کریں کہ انہیں جیسے ہوکر رہ جائیں، ان کی اپنی شناخت ختم ہوجائے، تکلف، تکبر، جلن وغیرہ ان کے روگ ہوجاتے ہیں، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ شکل وصورت میں دو آدمی برابر نہیں ہوتے تب وہ اپنے اخلاق اور صلاحیتوں میں کیسے یکساں ہوسکتے ہیں۔ آپ اپنی جگہ بالکل الگ چیز ہیں۔ تاریخ میں آپ کا کوئی مثل نہیں، نہ دنیا میں آپ کا کوئی ہم شکل، آپ زید، عمرو وغیرہ سے بالکل الگ ہیں لہٰذا دوسروں کی تقلید ونقل کی کوشش کیوں کریں۔ اپنی ہیئت اور کردار کے مطابق چلیئے۔ ''ہر آدمی اپنے مشرب کو جانتا ہے'' ''ہر ایک کا اپنا قبلہ ہے جس کی طرف وہ رخ کرتا ہے۔'' تب جیسے آپ ہیں، ویسے ہی رہیں آپ کو اپنی آواز، لہجہ اور چال ڈھال میں تبدیلی کی ضرورت نہیں ہے۔ وحی کی روشنی میں چلیں تاہم اپنے وجود کی نفی نہ کریں۔ آپ کا اپنا مزہ اور اپنا رنگ ہے، ہم آپ کو اسی رنگ ڈھنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں کیونکہ یہ آپ کے لئے فطری ہے؟ اسی پر ہم آپ کو جانتے ہیں لہٰذا آپ نقال نہ بنیں۔'' انسانوں کی طبائع عالم نباتات جیسی ہیں کھٹے بھی ہیں، میٹھے بھی، لمبے بھی، پست قد بھی، ایسے ہی انہیں رہنا بھی چاہئے تو جو کیلا ہے وہ ناشپاتی کیوں بنے اس کا جمال اور قیمت تو کیلے پن میں ہے۔ ہماری زبانوں، رنگوں، صلاحیتوں اور طاقتوں کا اختلاف تو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے ہمیں اس کی نشانیوں کا انکار نہ کرنا چاہئے۔

مذہب کے سیاسی استعمال پر روک کی ضرورت کیوں؟

عارف عزیز بھوپال

ہندوستان میں کافی عرصہ سے اس موضوع پر بحث ہورہی کہ مذہب کا سیاسی استعمال کس حد تک مناسب ہے۔ آئے دن پارلیمنٹ کے اندر اور اس کے باہر بھی یہ بات کہی جاتی ہے کہ ایسے عناص جو سیاست بالخصوص الیکشن کے موقع پر لوگوں کے مذہبی جذبات بھڑکا کر ان کا استعمال کرتے ہیں ایسے لوگوں پر پابندی عائد کی جائے۔ بظاہر قانون کی رو سے ایسی پابندی عائد بھی ہے لیکن عملاً سیاست داں اس طرح کے عمل کو شجر ممنوعہ نہیں سمجھتے بلکہ ضرورت کے مطابق سیاست میں مذہب کو داخل کردیتے ہیں کچھ سال پہلے سماجوادی پارٹی کے ایک ممبر پارلیمان موہن سنگھ نے پارلیمنٹ میں ایک پرائیویٹ بل پیش کرکے مذہب کے نام پر الیکشن میں حصہ لینے والوں پر پابندی عائد کرنے پر زور دیا تھا اور اس بل کی بھارتیہ جنتا پارٹی کے بعض ارکان کی طرف سے شدید مخالفت کی گئی تھی، مذہب کو سیاست سے غیر مربوط کرنے کا نقطہ نظر نیا نہیں کافی پرانا ہے، آزادی سے پہلے ہندو مہا سبھا اور آزادی کے بعد جن سنگھ کے قومی سیاست میں اثر ونفوذ کے بعد سے ہی اس کی ضرورت برابر محسوس کی جارہی تھی کہ ایسا قانون بنایا جائے جو سیکولرازم پر ہندو بنیاد پرستی کو غالب آنے سے روک سکے۔ پنڈت نہرو کی زندگی تک سیکولرازم کے اصول قومی سیاست پر غالب رہے لیکن لال بہادر شاستری نے پاکستانی حملہ کے وقت ۱۹۶۵ء کے دوران آر ایس ایس کو راجدھانی دلی میں داخلی سلامتی کے کاموں میں شریک کرکے اس ہندو انتہا پسندی کو نئی زندگی دی جو گاندھی جی کے قتل کے ساتھ مردہ ہوچکی تھی، اندرا گاندھی کے دور میں ہندو کٹر پرستی نے مزید زور دکھایا، خاص طور پر اس وقت جب جن سنگھ نے بھارتیہ جنتا پارٹی کا چولا پہن کر اول اول سیکولرازم کی راہ اپنائی لیکن اس وقت کے حالات میں اسے خاطر خواہ کامیابی نہیں ملی تو مایوس ہوکر اس نے ''کامن سول کوڈ'' اور ''رام جنم بھومی'' کا موضوع ابھارنا شروع کردیا پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کی طاقت بڑھنے گی، یہاں تک کہ وہ ملک کی دوسری بڑی طاقت اور آج سب سے بڑی طاقت بن کر پورے ملک میں بھگوا جھنڈا لہرانے کے اپنے خواب کو شرمندہ تعبیر کررہی ہے، مذہب کو سیاسی سے الگ کرنے کی بات ہندوستان جیسے کثیر مذاہب اور مذہبی اقلیتوں کے ملک میں اس لئے بھی سمجھ میں آتی ہے یہاں سیاست ومذہب سے جوڑ کر داخلی اتحاد قائم رکھنا بہت دشوار ہے، ملک کا دستور بھی یہی کہتا ہے کہ یہاں کی حکومت کسی مذہبی عقیدے یا عبادت کے طریقے سے سروکار نہیں رکھے گی نہ مذہبی بنیاد پر اپنے شہریوں کے ساتھ امتیازی سلوک اپنائے گی، اگر ایسا نہیں ہوتا ہے تو اکثریت جو عام طور پر جمہوری ممالک میں حکمرانی کرتی ہے اس کا مذہبی غلبہ ہوسکتا ہے اور اس کے نتیجہ میں آئین کا سیکولر ڈھانچہ ہی درہم برہم ہوکر رہ جائے گا، ہندوستانی مسلمانوں نے اپنے پرسنل لا کے تحفظ میں اسی لئے جدوجہد کی کہ اگر اس کی جگہ ''کامن سول کوڈ'' نافذ ہوگیا تو اکثریتی فرقہ کے مذہبی عقائد ورسومات کو اقلیتوں پر لادنے کی کوشش ہوگی، آج جو عناصر مذہب کو سیاست سے غیر مربوط کرنے کی مخالفت کرتے ہیں اور ماضی میں بھی اس طرح کے قوانین سازی کو ہندوتوا کے خلاف قرار دیتے رہے ہیں ان کا مقصد یہی ہے کہ ملک کی سیاست وحکومت کو معیشت نیز اس سے متعلق پالیسی وپروگرام پر چلانے کے بجائے فرقہ واریت اور مذہبی جانبداری پر استوار کیا جائے تاکہ ان کا اقتدار مستحکم ہوسکے اور مذہبی تعصب سیاست کا اہم جزو بن جائے۔

اب تک فرقہ پرستی کی بنیاد پر الیکشن میں حصہ لینے پر تو پابندی رہی ہے لیکن الیکشن میں مذہب کے نام کے استعمال پر خاطر خواہ قدغن نہ لگنے سے ماحول بہت خراب ہورہا ہے سیکولر ذہن وفکر کے حامل دانشور اور سیاست داں عرصہ سے زور دے رہے ہیں کہ مذہب کے نام پر الیکشن میں حصہ لینے پر روک لگائی جائے، یعنی مذہب کو سیاست بننے نہ دیا جائے، کیونکہ ضروری نہیں کہ سیاست یا الیکشن میں مذہب کو ایک اشتعال انگیز تقریر کے ذریعہ ہی داخل کیا جائے، تعصب ومنافرت کے دوسرے طریقے بھی ہوسکتے ہیں جن کو بروئے کار لاکر یہ کام انجام دیا جاسکتا ہے لہذا ایسے تمام طریقوں کے استعمال کو قانون سازی کرکے اور قانون کا نفاذ عمل میں لاکر روک لگائی جائے۔

اسلامی طرزِ حیات

امیر حسن

اگر ہم اپنی زندگیوں کا جائزہ لیں اور اُن کے بارے میں سوچیں تو معلوم ہوگا کہ ہم میں سے بہت سے لوگ ایسے ہیں جو جامد، مشینی زندگی گزارتے ہیں، صبح سوکر اٹھتے ہیں ناشتہ کرتے ہیں اور کام پر لگ جاتے ہیں، طالبِ علم اپنے مدرسہ جاتا ہے، تاجر اپنی دکان کا رخ کرتا ہے، ملازمت پیشہ افراد اپنے دفاتر کو نکل پڑتے ہیں، کسان کاندھوں پر ہل اور ہاتھوں میں کدال اٹھائے زمین کا سینہ چاک کرکے خدا کی نعمتیں بٹورنے چل پڑتے ہیں، مزدور عرقِ جبین کے بدلے دو وقت کی روٹی حاصل کرنے کی کوششوں میں جٹ جاتا ہے، ڈاکٹر اپنی ڈسپنسری میں بیٹھا مریضوں کو 'نسخا ہائے شفاء' لکھتا رہتا ہے اور کاریگر فیکٹریوں میں دھول و دھواں پھانکتا رہتا ہے الغرض ہم میں سے ہر شخص اپنے مجالِ کار کے متعینہ حدود میں کسی چکی کی طرح گھوم رہا ہے، یہاں تک کہ دوپہر کے کھانے کا وقت ہوجاتا ہے تو اپنے گھر لوٹتا ہے، اکیلے یا اپنے گھر والوں کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھاتا ہے اور پھر اپنے کام میں مشغول ہوجاتا ہے، یہاں تک کہ جب رات ہوجاتی ہے، وہ اپنے گھر واپس چلا جاتا ہے اور اپنے آپ کو آرام پہنچانے، اپنی تھکاوٹ اور پریشانی کو ہلکا کرنے کے لئے سوجاتا ہے اور اگلے دن پھر اپنی کوششوں کے ثمرات کو زندہ کرنے کے لیے سرگرمی اور جوش کے ساتھ شروع کرتا ہے اور اپنے جسم کو عمدہ لباس سے زیبِ تن کرتا ہے، لذیذ کھانے سے اپنا پیٹ بھرتا ہے، رہنے کے لئے ٹھوس رنگ کے سنگ مرمر سے اپنا گھر بناتا ہے، اپنی دیواروں پر ریشمی پردے لٹکاتا ہے، اپنے کمروں میں آرام دہ صوفیں لگواتا ہے اور جدید ماڈل کی لگژری کاریں خریدتا ہے، اپنے بینک اکاؤنٹ میں بڑی بڑی رقم جمع کرتا ہے اور لوگوں سے داد وتحسین حاصل کرتا ہے وہ یہ سب کچھ اس لیے کرتا ہے تاکہ اس کا نام روشن ہو اور دولت مندوں میں شمار ہو، اس کے باوجود وہ ان چیزوں سے لطف اندوز نہیں ہو پاتا ہے جن کو وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نعمت سمجھتا ہے ان بیماریوں اور تکلیفوں کی وجہ سے جس سے وہ وقتاً فوقتاً دوچار ہوتا ہے پھر بھی وہ مال و دولت کے حصول کے لیے اپنا خون پسینہ بہاتا ہے اور اپنے آپ کو تھکا دیتا ہے جب کہ اس کا فائدہ اٹھانے والا کوئی دوسرا ہوتا ہے۔

یہ زندگی جو ہم میں سے بہت سے لوگ بسر کرتے ہیں وہ مادی زندگی ہے جو پیٹ اور روح کے تابع ہے، اور منافع ومفادات کے گرد گھومتی ہے اور احساس وشعور سے خالی ہوتی ہے، دل اور جذبات سے عاری ہوتی ہے اور اسلام اس سے کبھی راضی نہیں ہوتا؛ کیونکہ اسلام جس زندگی کا مطالبہ کرتا ہے اور جس کی طرف ہمیں بلاتا ہے، وہ ایک ایسی زندگی ہے جو مادے اور عقل کو یکجا کرتی ہے، روح اور دل کو، احساس اور جذبات کو، سمجھ اور عمل کو یکجا کرتی ہے، یہ ایک ایسی زندگی ہے جس کو انسان دوسروں کی زندگی خوش حال بنانے کے لیے صرف کرتا ہے، ان کے لیے راحت و سکون فراہم کرتا ہے، اور ان کا تعلق اس کائنات کے خالق سے جوڑتا ہے جس نے انہیں یہ زندگی عطا کی ہے۔

یہ وہ زندگی ہے جس میں دل کام کرتا ہے، دماغ اس پر قابو پاتا ہے، جذبات اس پر اثر انداز ہوتے ہیں، خالص شریعت کے مطابق انسانی تقاضوں کو مدنظر رکھا جاتا ہے، اور جس میں رواداری، مساوات، ہمدردی، رحم، عدل و احسان، بھائی چارہ اور محبت، پرہیزگاری اور نصیحت، اخلاص اور قربانی غالب ہوتی ہے۔

یہ وہ زندگی ہے جسے اسلام نے پسند کیا ہے اور جس میں خوش وخرم زندگی کے وہ تمام عناصر ہیں جو اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہیں۔

ہمیں اس طرز زندگی کا انتخاب کرنا چاہیے، اس پر عمل پیرا ہونا چاہیے، مطمئن، بامقصد اور پرسکون زندگی کے لیے ان ناگزیر عناصر کو مدنظر رکھنا چاہئے

ہفتۂ رفتہ

محمد اظہار

تلنگانہ میں مسلمانوں کی شادیوں کے لئے آدھار کارڈ لازمی

حیدرآباد: 24 دسمبر (ایجنسی) تلنگانہ حکومت نے نوجوان مسلم لڑکیوں کی شادیاں کرنے والے قاضیوں کے خلاف سخت کارروائی کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔اب حکومت نے وقف بورڈ کو تمام شادیوں کی تفصیلات آن لائن داخل کرنے کی ہدایت دی ہے۔حکومت نے یہ فیصلہ نوجوان لڑکیوں کی عرب شہریوں سے شادی کی شکایات موصول ہونے کے بعد کیا ہے۔بچوں کی شادیوں کی روک تھام کو یقینی بنانے کیلئے شادیوں کیلئے دولہا اور دلہن کے آدھار کارڈ کو لازمی قرار دیا گیا ہے اور کسی دوسرے شناختی کارڈ کی بنیاد پر شادی کرنے پر پابندیاں عائد کی گئی ہیں۔قاضیوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ آدھار کارڈ کی بنیاد پر اس بات کی نشاندہی کریں کہ دولہا اور دلہن بالغ ہیں یا نہیں۔(ایجنسی)

ایک سال تک غریبوں کو مفت اناج ملتا رہے گا

مرکزی کابینہ نے فیصلہ کیا کہ قومی غذائی تحفظ قانون (این ایف ایس اے) کے تحت آنے والے تمام 81 کروڑ مستفیدین کو ایک سال کے لئے مفت اناج فراہم کیا جائے گا۔استفادہ کنندہ خاندان جو موٹے اناج کے لئے 1 روپے، گیہوں کے لئے 2 روپے اور چاول کے لئے 3 روپے فی کلو ادا کرتے تھے اب اگلے سال کے لئے 35 کلو اناج مفت ملے گا اور دیگر کو دسمبر 2023 تک ایک ماہ میں 5 کلو مفت ملے گا۔مرکز نے اضافی رقم کا تخمینہ لگایا ہے۔مسٹر گوئل نے کہا کہ اس اسکیم کے تمام اخراجات مرکز برداشت کرے گا۔مسٹر گوئل نے کہا کہ اگرچہ وبائی امراض کے بعد معاشی صورتحال معمول پر تھی، لیکن انٹیودیا این یوجنا، پی ایم جی کے وائی اور این ایف ایس اے کے فوائد کو انضمام کر کے زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے کا فیصلہ کیا گیا تاہم، حکومت نے اپریل 2020 میں شروع کی گئی پردھان منتری غریب کلیان انا یوجنا کو بند کر دیا ہے۔کووڈ-19 کے تحت ہر فرد کو 5 کلوگرام اناج کی سبسڈی والے نرخوں پر این ایف ایس اے حقدار کے اوپر 5 کلو مفت اناج فراہم کیا۔(ایجنسی)

ممبئی ایئرپورٹ پر مسافروں کی ہوگی کورونا جانچ

ملک میں ایک مرتبہ پھر کورونا کے کیسیز کو لے کر تشویش کافی بڑھ گئی ہے، جس کے پیش نظر حکومت کو بھی کوئی نرمی برتنا نہیں چاہتی۔ممبئی انٹرنیشنل ایئرپورٹ لمیٹیڈ (ایم آئی اے ایل) نے کہا کہ چھترپتی شیواجی مہاراج بین الاقوامی ہوائی اڈے پر آنے والے دو فیصد غیر ملکی مسافروں کو کورونا جانچ سے گزرنا ہوگا۔مرکزی وزیر صحت نے پارلیمنٹ کو بتایا تھا کہ ہندوستان چین اور دیگر ممالک میں کورونا وائرس کے بڑھتے کیسیز کے پیش نظر کوویڈ-19 کے لیے اپنے ہوائی اڈوں پر آنے والے دو فیصدی غیر ملکی مسافروں کی ٹسٹنگ شروع کرے گا۔مرکزی وزارت صحت اور خاندانی بہبود کی جانب سے جاری تازہ گائیڈ لائنس کی بنیاد پر ممبئی ایئرپورٹ نے وائرس کے پھیلاو کو روکنے کے لیے ایک ساتھ اقدامات کیے ہیں۔ممبئی انٹرنیشنل ایئرپورٹ لمیٹیڈ نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ ایسے مسافروں کی پہچان ان کی متعلقہ ایئرلائنوں کی جانب سے کی جائے گی اور ایئرلائن ملازمین کی جانب سے ان کے آر ٹی پی سی آر ٹسٹوں کے لیے ٹرمینل پر ایک مخصوص علاقے میں ہدایت کی جائے گی۔مسافروں کو نمونے جمع کرنے اور اپنے آگے کے سفر کی ضرورت ہے۔لیب جانچ کے نتائج کی ڈیجیٹل کاپی مسافروں کو سیدھے بھیجنے کے اقدام کرے گی۔(ایجنسی)

وسطانیہ ایویلیوشن (امتحان) 2023 کا فارم بھرنے کی تاریخ میں توسیع

ڈاکٹر محمد نور السلام، کنٹرولر آف اگزامنیشن، بہار اسٹیٹ مدرسہ ایجوکیشن بورڈ، پٹنہ نے اطلاع دی ہے کہ وسطانیہ معیار کے جملہ مدارس کے صدر المدرسین، گارجین حضرات، طلباء وطالبات کی درخواست کے پیش نظر درجہ وسطانیہ ایویلیوشن 2023 کے فارم بھرنے کی تاریخ 31 جنوری 2023 تک اور Private Permission حاصل کرنے کی تاریخ میں 25 جنوری تک توسیع کر دی گئی ہے، مزید انہوں نے بتایا کہ مدارس کے ذمہ داران User ID اور Password حاصل کرنے میں تاخیر کر رہے ہیں جس کی وجہ سے طلبا وطالبات کے فارم بھرنے میں دشواری پیش آرہی ہے۔ان سبھی معاملات اور درخواست پر غور کرتے ہوئے تاریخ میں توسیع کرنے کا فیصلہ لیا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ طلباء وطالبات ایویلیوشن (امتحان برائے وسطانیہ) فارم بھر سکیں اور 2023 کے ایویلیوشن میں شامل ہوسکیں۔ وہیں ڈاکٹر محمد نور السلام نے صدر المدرسین سے گزارش کی ہے کہ فارم بھرنے یا پرمیشن حاصل کرنے میں کسی طرح کی کوئی دشواری پیش آتی ہے تو بہار اسٹیٹ مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کے ویب سائٹ پر موجود ہدایات کا مطالعہ کریں۔ساتھ ہی اس موبائل نمبرات سے رابطہ کر سکتے ہیں۔ 9939760457, 7481950766۔آئی ٹی سیکشن کے ذمہ داران مدارس کے ہر مسائل کو حل کرنے میں کوشاں ہیں۔(پریس ریلیز)

ایئرپورٹ پر اساتذہ کی کورونا ڈیوٹی نہیں لگائی جائے گی

ڈسٹرکٹ ڈیزاسٹر مینجمنٹ اتھارٹی نے 31 دسمبر سے 15 جنوری تک دہلی ہوائی اڈے پر کووڈ ڈیوٹی پر اسکول کے اساتذہ کو تعینات کرنے کا اپنا حکم واپس لے لیا ہے۔اتھارٹی کا کہنا ہے کہ ضرورت پڑنے پر سول ڈیفنس کے اہلکار ایئرپورٹ پر تعینات کیے جائیں گے۔اس سے قبل احکامات جاری کیے گئے تھے کہ دہلی کے سرکاری اسکولوں کے اساتذہ کو 31 دسمبر سے 15 جنوری تک دہلی کے ہوائی اڈے پر تعینات کیا جائے گا، تاکہ یہ یقینی بنایا جاسکے کہ بیرون ملک سے آنے والے مسافروں کے ساتھ کووڈ کے مناسب رویے کی پیروی کی جائے۔موسم سرما کی تعطیلات کی وجہ سے اس مدت کے دوران دہلی میں اسکول بند رہیں گے۔اس لیے اس کام میں اساتذہ کی ڈیوٹی لگائی گئی ہے۔کورونا کی پچھلی لہروں میں بھی اساتذہ نے اپنا قابل تحسین کردار ادا کیا تھا۔واضح رہے کہ دہلی Covid-19 کیسوں کی تعداد میں اچانک اضافے کے ساتھ مرکزی حکومت نے لوگوں سے چہرے کے ماسک پہننے اور عوامی مقامات پر حفاظتی اصولوں پر سختی سے عمل کرنے کی اپیل کی ہے۔اس کے ساتھ ہی دہلی حکومت نے دارالحکومت کے تمام سرکاری اسپتالوں کو آنے والے دنوں میں بڑھتے ہوئے انفیکشن کے پیش نظر تیاریوں اور سپلائی کو بڑھانے کی ہدایت دی ہے۔(ایجنسی)

یوپی کے غیر تسلیم شدہ مدارس کی دوبارہ منظوری

اترپردیش میں پرائیویٹ مدارس کی سروے رپورٹ موصول ہونے کے بعد اترپردیش مدرسہ تعلیمی بورڈ کے سربراہ نے کہا ہے کہ ایک بار پھر غیر تسلیم شدہ مدارس کو تسلیم کرنے کا عمل شروع کیا جائے گا۔ مدرسہ بورڈ کے چیئرمین ڈاکٹر افتخار احمد جاوید نے پی ٹی آئی کو بتایا کہ سروے میں غیر تسلیم شدہ تقریباً 8500 مدارس کی حکومت کی اجازت سے شناخت کا عمل شروع کیا جائے گا۔انہوں نے کہا،''جولوگ مدرسہ بورڈ سے جڑنا چاہتے ہیں انہیں اس کے لیے درخواست دینا ہوگی۔'' جاوید نے کہا کہ اس سے مدارس کے ساتھ ساتھ طلباء کو بھی فائدہ ہوگا کیونکہ اس کے بعد مدرسہ بورڈ انہیں ڈگریاں فراہم کرے گا، جو کہ وسیع پیمانے پر تسلیم شدہ ہیں۔ انہوں نے کہا، "اترپردیش میں 10 ستمبر سے 15 نومبر تک کیے گئے سروے میں 8500 مدارس غیر تسلیم شدہ پائے گئے. ریاستی حکومت کی اجازت سے ان مدارس کو تسلیم کرنے کا عمل دوبارہ شروع کیا جائے گا۔ جولوگ مدرسہ بورڈ سے شناخت حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ اس کے لیے درخواست دے سکیں گے۔(ایجنسی)

طب وصحت

کان میں درد اور اس کا علاج

یوں تو ہمارے جسم میں موجود اعضاء میں ایک کان بھی ہے۔کان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کے اندر جسم میں پائی جانے والی سب سے باریک ہڈیاں ہوتی ہیں جن کی تعداد بھی کافی زیادہ ہوتی ہے۔ہمارا کان تین حصوں پر مشتمل ہوتا ہے، ایک بیرونی حصہ، دوسرا درمیانی اور تیسرا اندرونی حصہ ہے۔کان کے باہر والا حصہ بیرونی کان کہلاتا ہے بیرونی کان سے ایک سوراخ اندر کی طرف ایک ائیرڈرم کے ساتھ جڑا ہوا ہوتا ہے۔

اس ائیرڈرم کے پچھلے حصے کو درمیانی حصہ اور ائیرڈرم سے آگے والے حصے کو جو جھلی دار ہوتا ہے اندرونی حصہ کہتے ہیں اور یہ سیپ کی شکل کا ہوتا ہے۔جب کوئی جراثیم، بیکٹر یا یا وائرس حملہ آور ہو کر جسم میں موجود سیلز کو نقصان پہنچاتے ہیں، جس سے انفیکشن ہوتا ہے۔اور اگر یہ بیکٹر یا یا وائرس اندرونی حصہ میں داخل ہو جائے تو وہاں بھی یہ انفیکشن کر دیتا ہے۔اس انفیکشن کے دو اقسام ہیں۔ایک اوٹیٹس میڈیا (Medi Otitis) اور دوسرا اوٹیٹس ایکسٹیما (Extema Otitis) کہلاتا ہے۔ان دونوں سے کان کے درمیانی اور اندرونی حصے متاثر ہوسکتی ہیں۔جن میں الرجی، انفیکشن، زخم، پانی پڑ جانا، ائیرڈرم کو نقصان پہنچنا، کان میں کسی چیز کا پڑ جانا، گلے کے غدود کا ورم اس کے علاوہ ایسے بچے جن کے دانت نکل رہے ہوں ان کو بھی کان میں درد ہوسکتا ہے۔بعض اوقات کان میں کچھ پڑ جاتا ہے اکثر ان میں غلے کے بیج، موتی یا کیڑے وغیرہ کان میں چلے جاتے ہیں۔اس کے لئے آپ تیز روشنی میں کان کا معائنہ کر سکتے ہیں، کوشش کریں خود سے تجربات نہ کریں فوراً مریض کو کسی قریبی ڈاکٹر کے پاس لے جائیں جو معائنہ کے بعد طبی آلات سے پھنسی ہوئی چیز نکال دے گا۔

اکثر مریض کان کے بہنے کی شکایت کرتے ہیں اس کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں مثلاً چیچک، خسرہ وغیرہ ہونے کی صورت میں کان کے درمیانی حصہ میں ورم ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے کان بہنا شروع ہو جاتے ہیں۔

احتیاطی تدابیر: کان سے متعلق چند احتیاطی تدابیر یہ ہیں۔کان میں خارش کے دوران ماچس کی تیلی سوئی نما تنکا استعمال نہ کریں۔ ہمیشہ مستند ڈاکٹر اور کمپنی کی ادویات استعمال کریں۔عطائیوں سے کان کا علاج کروانے سے آپ کی تکلیف کم نہیں، بلکہ بڑھ جائے گی۔

دیسی علاج: ☆ کان سے پیپ آنے کی صورت میں سرسوں کے تیل کے دو قطرے نیم گرم کر کے ڈالیں۔☆ کان میں اگر کوئی کیڑا چلا جائے تو گلیسرین ڈالیں جس سے وہ چیز باہر آ جائے گی۔☆ صبح نہار منہ پانی میں لیموں کا رس ملا کر پینے سے کان بہنے میں مددگار ہے۔☆ لہسن کو سرسوں کے تیل میں جلا کر کان میں ڈالنے سے درد اور پیپ ختم ہو جاتی ہے۔☆ پیاز کا رس گرم ڈالنے سے بہرہ پن میں فائدہ ہوتا ہے۔

☆ سرسوں کا نیم گرم تیل ڈالنا بھی بہرہ پن میں مفید ہے۔

کان درد کا ہومیو پیتھک میں بھی بہترین علاج دستیاب ہے۔بچوں کے کان میں اگر پھنسیاں ہوں پیپ اور خون نکلتا ہو تو تھوجا 30X کی ایک خوراک کافی ہے۔بچوں کے کان میں خارش، درد کی صورت میں مولین آئل کے دو قطرے ڈال دیں۔

Volume:63/73,Issue:01 R.N.I.N. Delhi Regd. No.BIHURD/4136/61Printed & Published by Sohail Ahmad Nadwi, on behalf of Imarat Shariah Phulwari Sharif, Patna, Printed at Azimabad Printers, R.C.F./105, Ground Floor, B.H. Colony, Bhootnath Road, Kankarbagh, Patna-800026 and Published from Naqueeb Office Imarat Shariah, Phulwari Sharif, Patna-801505, Editior: (Mufti) Mohammad Sanaul Hoda (Quasmi)

To

شرط سلیقہ ہے ہر اک امر میں
عیب بھی کرنے کو ہنر چاہیے (میر تقی میر)

LEADING URDU JOURNAL OF IMARAT SHARIAH
BIHAR ODISHA & JHARKHAND
NAQUEEB WEEKLY
PHULWARI SHARIF,PATNA 801505
SSPOS PATNA Regd.No.PT 14-6-21-23
R.N.I.N.Delhi,Regd No-BIHURD/4136/61

یکساں سول کوڈ: ایک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا؟

پروفیسر اخترالواسع

مختلف ریاستوں میں جب سے الیکشن کا اعلان ہوا تب سے کامن سول کوڈ کا ذکر زور زور سے ہونے لگا۔ یہ دوسری بات ہے کہ لاکمیشن کی رپورٹ ہو یا خود موجودہ حکومت کا پارلیمنٹ میں اعلان، کامن سول کوڈ بنانے اور لاگو کرنے کی نہ کوئی ضرورت ہے اور نہ ارادہ، لیکن خیر سے بھلا ہو بعض ریاستوں کے وزراء اعلیٰ کا جو اس کو انتخابی حربے کے طور پر استعمال کرتے رہے۔ ان میں سب سے آگے آسام، کرناٹکا، آندھرا پردیش اور اتراکھنڈ کے وزراء اعلیٰ رہے۔ آسام کے وزیر اعلیٰ جو کانگریس سے بی جے پی میں آئے ہیں اور خیر سے وزیر اعلیٰ بھی بنا دیے گئے ہیں وہ اپنی وفاداری ظاہر کرنے میں سب سے آگے لگے ہوئے ہیں۔ انہوں نے گجرات کے الیکشن میں کامن سول کوڈ کے مسئلے کو اٹھاتے ہوئے یہ تک کہہ دیا کہ اگر ہندو ایک شادی کرتے ہیں تو مسلمانوں کو دو-دو، تین-تین شادی کی اجازت کیسے دی جا سکتی ہے؟ جب کہ جاننے والے اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ مسلمانوں کی آبادی میں عورتوں کا تناسب مردوں سے کم ہے۔ تو جب ایک بیوی حصے میں آنا ہی مشکل ہے تو دو-دو، تین-تین کس کو کہاں سے مل پائیں گی؟

پھر جہاں تک قرآن کریم میں کثرتِ ازواج کی اجازت ہے تو وہ حکم کے درجے میں نہیں ہے بلکہ حالات سے مجبوری کے نتیجے میں ہے کہ کوئی مرد ایک سے زیادہ شادی کر سکتا ہے لیکن اس کے لیے انصاف شرط ہے اور اگر انصاف کرنا اس کے لیے ممکن نہیں تو پھر شادی نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ قرآن حکیم میں یہ اجازت جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے، مخصوص حالات میں مجبوری کے تحت دی گئی ہے۔ مثال کے طور پر شادی کے بعد پتہ چلتا ہے کہ عورت بانجھ ہے تو اولاد کی فطری خواہش کے تحت مرد کو دوسری شادی کی اجازت دی گئی۔ اسی طرح اگر یہ معلوم ہو کہ عورت کو کوئی چھوت کی بیماری ہے اور مرد اس کی وجہ سے اپنی جنسی ضروریات کی کفالت اس بیوی سے نہیں کر سکتا تو وہ دوسری عورت سے نکاح کر سکتا ہے۔ یا پہلی بیوی مرد کی بحیثیت شوہر کے جنسی ضروریات کو ادا کرنے سے قاصر ہو اور وہ خوشی خوشی مرد کو دوسری شادی کی اجازت دیتی ہے تو ہی مرد کو ایک سے زیادہ شادی کی اجازت دی گئی ہے۔ یہاں یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ ان حالات میں بھی دوسری شادی کرنے کے بعد پہلی بیوی کی پوری طرح کفالت اور دیکھ بھال کرنا مرد کی ذمہ داری ہے جب کہ اگر وہ تمام پریشانیاں جو عورتوں کے ساتھ بتائی گئی ہیں اگر مرد کے ساتھ ہوں تو عورتوں کو ان سے علیحدہ ہو جانے کا حق دیا گیا ہے تاکہ وہ دوسری شادی کر سکیں۔ اس کے برعکس مرد پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ وہ تمام پریشانیوں کے باوجود پہلی بیوی کو اپنے نکاح میں برقرار رکھے اور اس کی تمام جائز خواہشات وضروریات کی بھرپائی کرتا رہے۔

اب یہ انصاف پسند لوگوں کو سوچنا ہے کہ لِو اِن ریلیشن شپ (Live in Relationship) یا دوسرے غیر اخلاقی رشتوں کے ساتھ عورت اور مرد کا ایک دوسرے کے ساتھ رہنا مناسب ہے یا اسلام میں عزت و تکریم کے ساتھ عورت اور مرد کو ایک منکوحہ زندگی کا جو راستہ دکھایا ہے وہ مناسب ہے۔ اسلام مرد پر یہ لازم بناتا ہے کہ وہ جس عورت کے ساتھ شریعت کے دائرے میں رشتہ بناتا ہے اسے اور اس کے بطن سے پیدا ہونے والے بچوں کو نہ صرف اپنا نام دے، بلکہ ان کی پوری طرح کفالت بھی کرے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ راجیہ سبھا میں بی جے پی کے ایک ممبر نے کامن سول کوڈ بنائے جانے کے لیے ایک پرائیویٹ ممبر بل پیش بھی کر دیا اور جسے ایوان نے بحث کے لیے منظور بھی کر لیا لیکن سوال یہ ہے کہ وہ تمام لوگ جو کامن سول کوڈ کا شور مچاتے ہیں، آج تک وہ اس کا کوئی مسودہ مختلف مذاہب اور فرقوں کے لوگوں کے بیچ پیش نہیں کر پائے ہیں کہ وہ کس طرح کا ہوگا؟ شادی بیاہ کس طریقے سے ہوں گے؟ اس لیے کہ ہندوؤں میں اگنی کے گرد سات پھیرے، مسلمانوں میں مسنون نکاح، سکھوں کے یہاں اگنی کے ساتھ گروگرنتھ صاحب کی موجودگی، عیسائیوں میں پادری اور چرچ کا کردار اور اسی طرح دیگر مذہبی طبقات کے بیچ اپنی اپنی روایات ہیں جن کی پابندی کر کے وہ رشتہ ازدواج میں منسلک ہوتے ہیں۔ کامن سول کوڈ میں کون سا ایسا طریقہ ہوگا جو سب کے لیے تسلیم شدہ ہو سکے؟ اسی طرح طلاق اور وراثت کے معاملات ہیں۔ ان پر کس طرح ہندوستانی سماج کی مذہبی تکثیریت ہم خیال ہو پائے گی۔ پھر ایک سوال یہ بھی ہے کہ خود ہندو مذہب کے ماننے والوں کو یکساں عائلی قوانین کی پابندی بھی ایک جُٹ نہیں کر پائی ہیں تو پھر یہ کیا ضروری ہے کہ اس طرح کی کوششیں شمال سے جنوب، مشرق سے مغرب تک بسنے والے لوگوں کو فکری و عملی طور پر اس معاملے میں متحد کر سکیں۔

> "یہ جاننابھی کم دلچسپ نہیں ہوگا کہ وہ لوگ جو یکساں سول کوڈ کی بات کرتے ہیں وہ یکساں ریوینیو قوانین کی بات نہیں کرتے۔ شاید ہم میں سے بہت سے لوگوں کو پتا بھی نہ ہو کہ ہندوستان میں دو طرح کے مالیاتی قانون ہیں۔ اگر آپ ہندو ہیں اور اپنے انکم ٹیکس ریٹرن کے ساتھ ایک ایسا حلف نامہ دائر کرتے ہیں جس کے تحت آپ ایک مشترکہ ہندو پریوار کا حصہ ہیں تو آپ کو انکم ٹیکس کی ادائیگی میں بڑی چھوٹ ملتی ہے۔ لیکن اگر آپ مسلمان ہیں، عیسائی ہیں اور ایک مشترکہ خاندان کا حصہ بھی ہیں اور اپنے انکم ٹیکس کاغذات کے ساتھ ایسا کوئی حلف نامہ داخل بھی کرتے ہیں تو وہ قابل قبول نہیں ہوگا کیوں کہ آپ ہندو نہیں ہیں۔ مسلمانوں نے عام طور پر اس پر کوئی اعتراض بھی نہیں کیا اور کرنا بھی نہیں چاہیے۔اس لیے کہ ایک ایسی دنیا میں جہاں خاندان بکھر رہے ہیں اور ان کے بکھراؤ کی وجہ سے اعلیٰ ترین انسانی قدریں پامال ہو رہی ہیں"

یہ جاننا بھی کم دلچسپ نہیں ہوگا کہ وہ لوگ جو یکساں سول کوڈ کی بات کرتے ہیں وہ یکساں ریوینیو قوانین کی بات نہیں کرتے۔ شاید ہم میں سے بہت سے لوگوں کو پتا بھی نہ ہو کہ ہندوستان میں دو طرح کے مالیاتی قانون ہیں۔ اگر آپ ہندو ہیں اور اپنے انکم ٹیکس ریٹرن کے ساتھ ایک ایسا حلف نامہ دائر کرتے ہیں جس کے تحت آپ ایک مشترکہ ہندو پریوار کا حصہ ہیں تو آپ کو انکم ٹیکس کی ادائیگی میں بڑی چھوٹ ملتی ہے۔ لیکن اگر آپ مسلمان ہیں، عیسائی ہیں اور ایک مشترکہ خاندان کا حصہ بھی ہیں اور اپنے انکم ٹیکس کاغذات کے ساتھ ایسا کوئی حلف نامہ داخل بھی کرتے ہیں تو وہ قابل قبول نہیں ہوگا کیوں کہ آپ ہندو نہیں ہیں، مسلمانوں نے عام طور پر اس پر کوئی اعتراض بھی نہیں کیا اور کرنا بھی نہیں چاہیے۔ اس لیے کہ ایک ایسی دنیا میں جہاں خاندان بکھر رہے ہیں اور ان کے بکھراؤ کی وجہ سے اعلیٰ ترین انسانی قدریں پامال ہو رہی ہیں، ہمیں اس قانونی شق کی تائید ہی کرنی چاہیے اس لیے کہ یہ ایک مبارک اور مستحسن رویہ ہے۔ ویسے بھی ہندوستان کثرت میں وحدت کا ملک ہے اور یہاں ہر فرقے کو، ہر تہذیبی اکائی کو اپنے مذہب، ثقافت اور زبان کی صحت مند قدروں کو محفوظ بھی رکھنا چاہیے اور فروغ بھی دینا چاہیے۔ غالب کے بقول:

ہے رنگ لالہ وگل ونسریں جدا جدا
ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیے

ایک ایسے وقت میں جب ساری دنیا ہندوستان کی رنگارنگی کی قدر دان رہی ہے اور اپنے ملکوں کے اندر قوانین میں لچک پیدا کر رہے ہیں، ہمارے یہاں الٹی گنگا بہائی جا رہی ہے۔ وہ ملک جسے اپنی کثرت میں وحدت پر ناز رہا ہے اس میں کچھ لوگ یک رنگی پیدا کرنا چاہتے ہیں جو کہ نہ تو ممکن ہے نہ مناسب۔ اس لیے اس طرح کی بے وقت کی راگنی کو الاپنا چھوڑیں اور اس دائمی سچائی کو تسلیم کریں کہ:

گلہائے رنگا رنگ سے ہے زینتِ چمن
اے ذوق! اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے چاہیے

☆اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی خریداری کی مدت ختم ہوگئی ہے، فوراً آئندہ کے لیے سالانہ زرتعاون ارسال فرمائیں، اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، موبائل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں، مندرجہ ذیل اکاؤنٹ نمبر پر آپ سالانہ یا ششماہی زرتعاون اور بقایہ جات بھیج سکتے ہیں، رقم بھیج کر درج ذیل موبائل نمبر پر خبر کر دیں۔ **رابطہ اور واٹس اَپ نمبر 9576507798**

A/C Name: THE NAQUEEB, A/C No: 10331726168, Bank: SBI, Branch J.C. Road, Patna, IFSC Code: SBIN0001233

نقیب کے شائقین نقیب کے آفیشیل ویب سائٹ **www.imaratshariah.com** پر بھی لاگ ان کرکے نقیب سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ (**محمد اسعد اللہ قاسمی منیجر نقیب**)

WEEK ENDING-02/01/2023, Fax : 0612-2555280, Phone:2555351,2555014,2555668, E-mail: naqueeb.imarat@gmail.com, Web. www.imaratshariah.com,

نقیب قیمت فی شمارہ -/8 روپے ششماہی -/250 روپے سالانہ -/400 روپے